فہرست

لمعات:

جمہوریت (Democracy)	شفیق خالد، کراچی	3
تشکیلِ امتِ واحدہ	غلام احمد پرویزؒ	7
ہمارے علمائے کرام کے چند فکری مغالطے	خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی	26
حکومت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے	غلام باری، مانچسٹر	37
مطالب القرآن فی دروس الفرقان (۲۹واں پارہ)	غلام احمد پرویزؒ	44

حدیث نبوی ﷺ

ایک دفعہ کسی نے آپ ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے کہہ دیا ''یا سیدنا (اے ہمارے آقا)'' اس پر آپ ﷺ نے ڈانٹ کر کہا کہ دیکھو تمہیں شیطان بہکا رہا ہے آقا صرف خدا کی ذات ہے، میں تو عبداللہ کا بیٹا محمد ﷺ، خدا کا عبد اور اس کا رسول ہوں۔ آقائیت (سروری) صرف خدا کی ذات کے لئے ہے۔ (بحوالہ معراجِ انسانیت)۔

ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے دیکھا کہ آپ ﷺ اپنا جوتا مرمت کر رہے ہیں، انہوں نے آگے بڑھ کر کہا کہ لائیے جوتا میں گانٹھ دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تشخص پسندی ہے جو مجھے مرغوب نہیں۔ (بحوالہ معراجِ انسانیت)۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ وضو کر رہے تھے، جو پانی گرا بعض لوگوں نے اسے تبرکاً بدن پر مل لیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیوں کر رہے ہو؟ عرض کیا کہ خدا اور خدا کے رسول ﷺ کی محبت میں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ خدا اور خدا کے رسول کی محبت حاصل کرنے کا یہ طریقہ نہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب بات کرے تو سچ بولے۔ امین بنایا جائے تو امانت ادا کرے اور کسی کا پڑوسی ہو تو ہمسائیگی کو اچھی طرح نبھائے۔ (بحوالہ معراجِ انسانیت)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

جمہوریت(Democracy)

قرآن کریم نے انسان کی اپنی فلاح و بہبود اور ہر طرح کے نشو ونما کے مواقع مہیا کرنے کے لیے ایک جمہوری مشاورتی نظام دیا ہے تاکہ انسانیت کو بھرپور طریقے سے نشو ونما آسانی سے ملے اور اس کو اس کی ابتدا سے اس کی انتہا تک تمام سہولتیں آسانی سے مہیا ہوں اور ہر طرح کی ترقی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے وافر مقدار میں وسائل بھی موجود ہوں۔

قرآن کریم نے نوع انسانی کی رہنمائی کے لئے اصولی قوانین دیئے ہیں جو ہمیشہ کے لئے غیر متبدل ہیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے کائناتی اصول غیر متبدل ہیں جیسا کہ گریویٹی (Gravity) کا اصول۔ (Physics, the force of attraction between all masses in the universe especially the attraction of the earth's mass for bodies near the surface the more remote the body the less the gravity) پانی بننے کے بنیادی عناصر (H_2O) جیسے کائناتی اصولوں کو سمجھ کر ہم انسانی ترقی اور فلاح و بہبود کے بیشمار کام کر رہے ہیں اس طرح انسان معاشرتی دنیا میں قرآن کے رہنما اصولوں کو اختیار کر کے معاشرے کو جنت نظیر بنا سکتے ہیں۔

قرآن کا نظام یہ ہے کہ ہر زمانے کے لوگ ان غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزئی احکام و اصول خود وضع کریں یہ جزئی احکام' اصول و انتظام باہمی مشاورتی نظام سے طے ہونگے اسلئے ان غیر متبدل اصولوں پر ایمان رکھنے کے متعلق کہا ہے کہ وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ (42:38) ان کے معاملات باہمی مشاورت سے طے ہونگے۔

شُوۡرٰى اِس کا مادہ ش۔و۔ر ہے۔ شَارَ الۡعَسَلَ شہد کو چھتہ سے نکال لیا اور جمع کر لیا۔ اَلۡمَشَارُ وہ چھتہ

جس سے شہد نکالا جائے اَلشَّوْرُ چھتہ سے نکالا ہوا شہد۔ اَلْمِشْوَارُ ۔ وہ لکڑی جس سے شہد نکالا جاتا ہے۔ المِشْوَارۃُ چھتہ کو کہتے ہیں (تاج۔محیط۔راغب نیز ابن فارس)

شَاوَرَ ۔ مُشَاوَرَۃً ۔ تَشَاوَرَ ۔ باہمی مشورہ کرنا۔ اصل کے اعتبار سے مشورہ کے معنی ہوئے دوسرے کے خیالات کا نچوڑ حاصل کر کے کسی نتیجہ پر پہنچنا (راغب) اور اگر خود شہد سے مفہوم لیا جائے تو جس طرح شہد کی مکھیاں اپنی اپنی محنت کا ماحصل ایک جگہ جمع کر دیتی ہیں۔ مشاورت کے معنی ہوں گے مختلف افراد معاشرہ کی اپنی اپنی رائے، فکر، خیالات اور غور خوض کے نتائج کو ایک جگہ جمع کر دینا تا کہ اس سے کسی فیصلہ تک پہنچا جائے روئی دھننے والے کی کمان کی تانت کو بھی اَلْمِشْوَارُ کہتے ہیں۔ (تاج) لہٰذا مشورہ کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آراء کو دُھنا اور انہیں کھول کر نتیجہ نکالنا۔

چونکہ سب سے پہلے قرآن کے اس نظام کو خود نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا۔ اس لئے حضور اکرم حضرت محمد ﷺ کو حکم دیا گیا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ(3:159)

ترجمہ: اے محمدؐ اللہ کی مہربانی سے تمہاری مزاج افتاد ان لوگوں کے لئے شفیق اور نرم واقع ہوئی ہے۔ اگر تم درشت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ تو ان کی حفاظت کر، اور اپنے کاموں میں اِن سے مشورہ لیا کرو (3:159)۔

اس سے ظاہر ہے کہ چونکہ مشورہ کا حکم تمام کے لئے ہے۔ مشاورتی نظام کی شکل جمہوری ہوگی اور یہ نظام کبھی جامد اور متصلب (Rigid and Static incapable of adapting or changing to meet circumstances) نہیں ہوگا۔ ہر دور کے لوگ اپنے زمانے کے تقاضوں کو سامنے رکھیں گے اگر ان کے زمانے کا تقاضہ ہو تو وہ باہمی جمہوری مشورہ سے کسی سابقہ دور کے فیصلوں میں ردوبدل بھی کر سکتے ہیں اور نئے فیصلے بھی کر سکتے ہیں۔ اس طرح قرآن کریم کے غیر متبدل اصول تو اپنی جگہ قائم رہیں گے لیکن اس کی روشنی میں وضع کردہ جزئیات زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتی رہیں گی جیسا کہ ہم کائناتی اصولوں کی روشنی میں اپنے لئے بھرپور سہولتیں پیدا کر رہے ہیں اور یہ سہولتیں دن بدن بہتر سے بہتر ہو رہی ہیں۔

سورہ بنی اسرائیل میں ہے۔قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ (17:84)اس کا مفہوم سمجھنے کے لئے اس حقیقت پرغور کرنا چاہئے کہ کائنات میں ہر چیز کے اندر اس کی ممکنات (Potentialities) رکھ دی گئی ہیں۔آم کی گٹھلی میں یہ امکانی قوت رکھدی گئی ہے کہ وہ مناسب نشوونما کے بعد آم کا درخت بن جائے جس میں آم جیسا میٹھا خوشبودار، رنگین پھل آئے آم کی گٹھلی کا منتھیٰ (inner destiny) آم کا پھل ہے اور یہ اس کی شَاکِلَۃٌ ہے۔

خارجی کائنات میں ہر شے کی شَاکِلَۃٌ متعین ہوتی ہے جہاں تک انسان کا تعلق ہے، اس میں شبہ نہیں کہ اس کے ممکنات کی بھی ایک انتہا ضرور ہے لیکن زندگی کی موجودہ اسٹیج اس کی آخری حد نہیں یہ اَقْطَارُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (55:33) سے بھی آگے جاسکتا ہے لیکن موروثی اثرات، ابتدائی ماحول، تربیت جذباتی رجحانات وغیرہ کی کمزوریاں اس کو ترقی ورفعت اختیار کرنے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔معاشرہ میں مشاورتی نظام جمہوری ہونے سے اس میں رفعت وترقی اوروسعتیں پیدا کرسکتا ہے۔

قرآن کریم ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کرتا ہے جس میں ہر فرد کی مضمر صلاحیتیں کامل نشوونما پاجائیں۔اس معاشرہ میں جو پابندیاں عائد کی جاتی ہیں وہ درحقیقت اس کی ذات کی صلاحیتوں کی وسعت کے لئے ہوتی ہیں لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (2:286) کا یہی مفہوم ہے یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ جو اپنے احکام وقوانین کی اطاعت چاہتا ہے تو اِس سے اُس کا اپنا کوئی فائدہ مطلوب نہیں یہ صرف اس کے لئے ہے کہ انسانی ذات میں وسعت پیدا ہوجائے۔

اس کی قدرت واختیارات کا دائرہ وسیع ہو جائے اُسے کشادگی اورفراخی نصیب ہو جائے (راغب) سورہ اعراف میں اس کے ساتھ کہا گیا ہے۔اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ (7:42) ان وسعتوں اورفراخیوں کا نام جنت کی زندگی ہے یعنی اِس دنیا میں رزق اورزندگی کی خوشگواریوں کی وسعت اورکشاد، اورانسانی ذات (Personality) کے اختیارات وممکنات کے دائرے کی وسعت، جس سے انسان اُخروی زندگی میں مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے یہ وہ جنت ہے جو کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو محیط ہے۔اللہ ایسے احکام دیتا ہے جو کسی کی قوت برداشت سے زیادہ نہ ہوں قرآن کی تعلیم کی روشنی میں جمہوری مشاورتی نظام میں زندگی بسر کرنے کا لازمی نتیجہ انسانی ذات کی نشوونما ہے جس سے اس کی صلاحیتوں اورممکنات کا دائرہ بڑا وسیع ہو جاتا ہے۔یہی خود نبی آخر حضرت محمد ﷺ نے کیا تھا جس پر قرآن کا حکم شاہد ہے۔اس لئے سنتِ رسول اللہ بھی یہی ہے کہ ہر دور کے مسلمان ایسا ہی کریں۔یہی وہ ہے سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ (4:115) جس کے پیچھے چلنے کا حکم ہے۔

مغربی انداز حکومت میں کوئی شے غیر متبدل نہیں ہوتی ۔قوم جس قسم کے فیصلے چاہے کرسکتی ہے ۔ان فیصلوں کے اوپر کوئی ایسی پابندی یا حدود نہیں جس کا علیٰ حالہ رکھنا ضروری ہو۔اس طرزِ حکومت کو سیکولر (Secular) کہتے ہیں دوسری طرف قدامت پرستی کے مسلک کی رو سے ،شریعت میں کوئی چیز قابلِ تغیر وتبدل نہیں جو فیصلے پہلے ہو چکے وہ من وعن نافذ ہوتے رہیں گے۔

ان دونوں کے برعکس قرآن کے ضابطہ حیات میں رہنمائی اور نظام یہ ہے کہ قرآن میں بیان کردہ احکام واصول غیر متبدل ہیں ۔ان بنیادی اصولوں کی چاردیواری کے اندر رہتے ہوئے ہر معاشرہ اپنے اپنے زمانے اور حالات کے تقاضوں کے مطابق جزئی قوانین خود مرتب کرے گا اس طرح ثبات (Permanence) اور تغیر (Change) کے امتزاج سے انسانی زندگی اپنے ارتقائی مراحل طے کرتی آگے بڑھتی جائے گی۔

شفیق خالد

(نمائندہ بزم طلوع اسلام، کراچی)

☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تشکیلِ امتِ واحدہ

قرآن نے دین کومکمل کر دیا اور اس کے بعد مسلمانوں سے کہہ دیا کہ تمہارا شعار زندگی اب یہ ہے کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا..... (3:103)- تم سب کے سب مل کر اس ضابطہ خداوندی کو محکم طور پر تھامے رہو اور فرقوں میں مت بٹ جاؤ۔

یہ ہے دین کا اصل الاصول۔ اسی میں تمہاری فلاح و بہبود کا راز مضمر ہے اور اسی سے خود دین کا (یعنی اس نظام زندگی کا جو تمہارے لئے تجویز کیا گیا ہے) قیام، تمکن اور استحکام وابستہ ہے۔ اس آیہ جلیلہ کے مختلف الفاظ پر غور کیجئے۔ حقیقت ابھر کر سامنے آتی جائے گی۔ سب سے پہلے یہ کہ 'حَبْلِ اللّٰہِ' ایک ہے۔ ایک سے زیادہ نہیں۔ دین کا ضابطہ قرآن ہے اور یہی وہ عُرْوَۃِ الْوُثْقٰی (2:256)- وہ محکم سہارا ہے، جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ (لَا انْفِصَامَ لَھَا) (2:256)- کبھی دغا نہیں دے سکتا۔ جو ہر زمانے میں، ہر مقام پر، تمام نوع انسانی کے لئے واحد اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ذہن انسانی کے وضع کردہ نظام زندگی زمانے کے تقاضوں کے بدلنے سے ٹوٹتے اور بنتے، بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں۔۔۔ زماں زماں شکند آنچہ می تراشد عقل۔۔۔ لیکن یہ ضابطہ خداوندی زمان اور مکان کی نسبتوں سے بلند اور حدود و قیود کے امتیازات سے ماوراء ہے۔ اس کے اصول، زندگی کی وہ ابدی اور مستقل اقدار ہیں جن میں کبھی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ.....(10:64)-

دین اجتماعی ہے

(2) وَاعْتَصِمُوْا (3:103)- میں جمع کے صیغے (تم سب) اور جَمِیْعاً کی تخصیص سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ دین، خدا اور بندے کے درمیان انفرادی تعلق کا نام نہیں کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھے، اپنے اپنے انداز سے ''گیان دھیان'' کے ذریعے خدا سے لو لگا لے اور اس طرح اپنی ''مکتی'' (نجات) کا سامان پیدا کر لے۔ دین، اجتماعی نظام زندگی کا نام ہے۔ جس میں تمام افراد ایک ناقابل تقسیم وحدت کی حیثیت سے رہتے اور ایک طریق پر

چلتے ہیں۔ ان کی وجہ جامعیت بھی دین کا اشتراک ہے۔ اسی سے یہ سب ایک امت بنتے ہیں۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا..... (2:143)-

(3) جَمِيْعاً نے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا ہے کہ اس دین کے مطابق زندگی اسی صورت میں بسر ہو سکتی ہے جب پوری کی پوری امت ایک ہی طریق پر چل رہی ہو۔ اگر اس میں مختلف فرقے پیدا ہو گئے اور ہر فرقہ نے ایک جداگانہ طریق کی پیروی اختیار کر لی' تو یہ دین باقی نہیں رہ سکتا۔ لَا تَفَرَّقُوْا کے حکم نے اس حقیقت کو اور بھی نمایاں کر دیا۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا میں امر (حکم) تھا۔ یعنی یہ کرو اور لَاتَفَرَّقُوْا میں نہی ہے (کہ یوں نہ کرو) اور یہ ظاہر ہے کہ جس بات کو امر اور نہی۔ مثبت اور منفی کی حدوں میں گھیر کر بیان کیا جائے اس میں نہ کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی رہتی ہے نہ مزید تاکید و تائید کی ضرورت۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا..... (3:103)- ایک جامع اصول زندگی ہے جس میں کسی اختلاف یا استثناء کی قطعاً گنجائش نہیں۔

☆☆☆

یہ کوئی نیا اصول نہیں

(4) قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ کوئی نیا اصول زندگی نہیں جو تمہیں پہلی بار دیا جا رہا ہے۔ یہی اصول ہے جو پہلے دن سے آج تک ہر نبی کی وساطت سے دیا جاتا رہا ہے۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى..... (42:13)- اللہ نے اسی دین (نظام زندگی) کا راستہ تمہارے سامنے کھول دیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا۔ وہی دین اب تمہاری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ اسی کا حکم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا گیا ہے۔

یہ حکم کیا تھا؟ یہی کہ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ..... (42:13)- تم سب اسی دین کو قائم کرنا اور اس میں کسی قسم کا تفرقہ نہ پیدا کر دینا۔ یہی وہ دین کی وحدت اور تفرقہ سے اجتناب تھا جس سے تمام انبیاء کرامؑ (زمان اور مکان کے اس قدر بعد اور اختلاف کے باوجود) ایک ''امت واحدہ'' بن گئے تھے۔ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ O (23:52)- اے گروہ انبیاء! یہ تمہاری جماعت امت واحدہ ہے۔ تمہاری وجہ جامعیت یہ ہے کہ میں تم سب کا نشوونما دینے والا ہوں۔ لہٰذا تم صرف میرے قوانین کی نگہداشت کرنا۔

امت واحدہ

یہاں اس حقیقت کو نمایاں کیا گیا کہ امت کی وحدت' ضابطہ زندگی اور قانون حیات کی وحدت پر مبنی ہوتی ہے۔ جب تک دین ایک رہے گا' امت بھی ایک رہے گی۔

یا جب تک امت ایک ہوگی' اس کا دین بھی ایک ہوگا۔ جب امت میں تفرقہ پڑ جائے گا تو دین بھی ایک نہیں رہے گا۔ الگ الگ ہو جائے گا۔ اور چونکہ دین ایک نا قابل تقسیم وحدت ہے اس لئے الگ الگ ''دین'' کے معنی یہ ہیں کہ اصل دین کہیں باقی نہیں رہا۔

(5) کسی امت (قوم۔ جماعت) میں تفرقہ پیدا کر دینا کتنا بڑا جرم ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے جسے خدا نے سورہ طٰہٰ میں بیان کیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کچھ دنوں کے لئے باہر تشریف لے جاتے ہیں اور بنی اسرائیل کو حضرت ہارونؑ کی زیرنگرانی چھوڑ جاتے ہیں۔ جب آپ واپس آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ قوم نے گئو سالہ پرستی اختیار کر رکھی ہے۔ اس کا جو اثر حضرت موسیٰؑ کی طبیعت پر ہوسکتا تھا۔ ظاہر ہے۔ وہ غصے سے لال پیلے ہو جاتے ہیں اور اپنے بھائی سے پوچھتے ہیں کہ: مَا مَنَعَکَ اِذْ رَاَیْتَھُمْ ضَلُّوْآ..... (20:92)- ''جب تم نے دیکھا تھا کہ یہ لوگ گمراہ ہو رہے ہیں' تو وہ کونسی بات تھی جس کی وجہ سے تم نے انہیں (اس روش سے) روکا نہیں''؟ اب سنئے کہ حضرت ہارونؑ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت ہارونؑ بھی خدا کے رسول ہیں۔ وہ جواب میں کہتے ہیں کہ: اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ..... (20:94)- ''مجھے یہ اندیشہ گذرا کہ تو آ کر یہ نہ کہہ دے کہ (اے ہارونؑ) تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے فیصلے کا بھی انتظار نہ کیا۔''

شرک سے بھی بڑھ کر

آپ نے سوچا برادران! کہ یہ بات کیا ہوئی؟ حضرت ہارونؑ نے کہا کہ اگر یہ لوگ جہالت کی وجہ سے کچھ وقت کے لئے مورتی کی پوجا کرنے لگ گئے تھے تو میرے نزدیک یہ اتنا بڑا جرم نہیں تھا جتنا بڑا جرم ان میں تفرقہ پیدا کر دینا تھا۔ یہ جواب ایک نبی کی طرف سے دیا جاتا ہے اور دوسرا نبی اس سے مطمئن ہو جاتا ہے جیسا کہ ذرا آگے چل کر بتایا جائے گا۔ قرآن نے خود فرقہ بندی (تفرقہ) کو شرک قرار دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ گئو سالہ پرستی بھی شرک تھی اور تفرقہ انگیزی بھی شرک لیکن تفرقہ انگیزی کا شرک ایسا شدید اور سنگین تھا کہ اس سے بچنے کے لئے عارضی طور پر گئو سالہ پرستی کے شرک کو گوارا کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ قرآن اس پر شاہد ہے کہ گئو سالہ پرستی کے جرم کا ازالہ توبہ سے ہو گیا۔ فَتَابَ عَلَیْکُمْ اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (2:54)- لیکن جب انہوں نے باہمی تفرقہ پیدا کر لیا اور اس طرح امت واحدہ کی بجائے مختلف گروہوں اور پارٹیوں میں بٹ گئے۔ وَقَطَّعْنٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا..... (7:168)- تو ان پر تباہی اور بربادی' ذلت و خواری' محرومی ومحتاجی کا ایسا عذاب مسلط ہو گیا جو ہر جگہ سائے کی طرح ان کے پیچھے لگا رہتا تھا۔ ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ

الذِّلَّةُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْٓا..... (3:111)-

(6) جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے' ہر رسول کا پیغام یہ تھا کہ ''دین کو قائم کرو اور باہمی تفرقہ مت پیدا کرو۔'' ہر رسول اس پیغام کے ذریعے ایک جماعت' ایک امت متشکل کر کے جاتا۔ اس کی امت کچھ وقت تک تو متحد رہتی لیکن اس کے بعد اس میں گروہ بندیاں اور فرقہ سازیاں شروع ہو جاتیں۔ یہ کیوں ہوتا؟

قرآن اس کی وجہ بتاتا ہے کہ: وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَ هُمُ الْعِلْمُ بَغْیاً بَیْنَهُمْ..... (45:17,42:14)- یعنی خدا کی طرف سے العلم (وحی) آ جانے کے بعد' جس کا مقصد تمام اختلافات کو مٹا دینا ہے' باہمی تفرقہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ لیکن اس وحی کے وارث' باہمی ضد اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے اور ایک دوسرے پر چڑھ دوڑنے کے جذبہ کی وجہ سے مختلف فرقے بنا لیتے ہیں۔

فرقہ سازی کا جذبۂ محرکہ

یعنی اس گروہ بندی اور فرقہ سازی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ انہیں دین کی کسی حقیقت کے سمجھنے میں غلطی لگ جاتی تھی۔ کوئی شق مشتبہ اور مبہم رہ جاتی تھی۔ خدا کی طرف سے دیئے ہوئے علم میں اشتباہ و ابہام کا کیا کام؟ یہ فرقہ سازی محض ہوس اقتدار کی تسکین کے لئے ہوتی تھی۔ ان میں سے جن لوگوں کے دل میں لیڈر بننے کا شوق چراتا وہ اپنا فرقہ الگ بنا لیتے' پھر ہر فرقہ' دوسرے فرقہ سے آگے نکل جانا اور اس پر غالب آ جانا چاہتا۔ اس سے باہمی کش مکش اور سر پھٹول شروع ہو جاتی اور یوں اس امت واحدہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور اس کے ساتھ ہی دین بھی اس تشتت و افتراق کے پردوں میں گم ہو جاتا۔ اس سے یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے آ گئی کہ فرقہ بندی علم و بصیرت اور دلائل و براہین کی بناء پر وجود میں نہیں آتی۔ اس کی بنیاد جذبات پر ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر فرقہ کے لوگ اپنے فرقہ کے برسرحق ہونے کے ثبوت میں دلائل پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں اور وہ کونسا جذباتی فیصلہ ہے جس کی تائید میں عقل فسوں ساز دلائل مہیا نہیں کر دیتی؟

نزول قرآن کا مقصد

(7) نزول قرآن کے وقت دنیائے مذاہب کی یہی کیفیت تھی۔ (واضح رہے کہ دین تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن جب فرقہ بندی میں اس کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں تو انہیں مذاہب کہا جاتا ہے) قرآن نے اپنے نزول کا مقصد یہ بتایا ہے کہ وہ ان تمام اختلافات کو مٹا کر' خدا کا دین قائم کرے گا اور فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو ایک امت واحدہ میں تبدیل کر دے گا۔ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ..... (16:64)- ''(اے رسول) تجھ پر یہ کتاب صرف اس لئے نازل کی گئی ہے کہ جن امور میں یہ لوگ باہمی

اختلافات کرتے ہیں' تو ان کی وضاحت کر دے۔'' اس کے بعد' جولوگ اس دین واحد کی صداقت کوتسلیم کرلیں گے' یہ کتاب انہیں زندگی کے صحیح راستے کی طرف راہنمائی کرے گی اور اس طرح ان کے لئے موجب رحمت بن جائے گی۔۔۔وَھُدًی وَّ رَحْمَۃً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ O (16:64)- ''یعنی تبیان حقیقت تو تمام انسانوں کے لئے یکساں ہوگی لیکن ہدایت اور رحمت صرف انہیں کے لئے ہو گی جو اس صداقت پر ایمان لے آئیں گے۔''

اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ گئی کہ قرآن کا مقصد اولیں اختلافات کو مٹا کر دین کی وحدت کا قیام ہے اور اختلافات کا مٹ جانا خدا کی رحمت ہے۔ اسی نکتہ کی وضاحت دوسرے مقام پر ان الفاظ میں کر دی گئی کہ :وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً..... (11:118)- ''اگر یہ مقصود ہوتا کہ تمام انسانوں کو مجبور کر کے ایک راستے پر چلایا جائے تو خدا کے لئے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں تھا۔'' اس نے جس طرح دیگر حیوانات کو اس انداز سے پیدا کیا ہے کہ ہر نوع کا فرد اپنی نوع اور جماعت کے ساتھ رہتا ہے۔ اس سے کبھی اختلاف نہیں کرتا (مثلاً تمام بھیڑیں ایک نہج سے زندگی گذارتی ہیں اور تمام شیر ایک ہی راستے پر چلتے ہیں)۔

علیٰ وجہ البصیرت وحدت

اسی طرح وہ انسانوں کو بھی جبلی طور پر ایک ہی راستے پر چلنے پر مجبور کر دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے انسانوں کو فکر و عمل کی آزادی دے رکھی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ چاہیں تو اتحاد اور اتفاق کی زندگی بسر کریں اور چاہیں تو تشتت و افتراق پیدا کر لیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں بتا دیا گیا ہے کہ تشتت و افتراق کی زندگی عذاب کی زندگی ہے اور ''ایک امت'' بن کر رہنے کی زندگی رحمت اور سعادت کی زندگی۔ لیکن یہ وحدت اسی صورت میں حاصل ہوسکتی اور قائم رہ سکتی ہے کہ تم اپنے دل کی رضا مندی سے اور علیٰ وجہ البصیرت خدا کی کتاب کو اپنا ضابطہ حیات بنالو۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو تم نے زندگی کے مقصد کو پالیا۔ چنانچہ جو آیت اوپر درج کی گئی ہے اس کا اگلا حصہ یہ ہے وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ O اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ..... (11:119)- ان لوگوں کے سوا جو وحی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے خدا کی رحمت کے سزاوار بن جائیں' باقی ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہیں گے حالانکہ انہیں پیدا اس لئے کیا گیا تھا کہ یہ (اپنی رضا و رغبت سے) امت واحدہ بن کر رہیں۔ وَلِذٰلِکَ خَلَقَھُمْ..... (11:118-119)-

اس آیت سے یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ :

(الف) مقصود تخلیق انسانی یہ ہے کہ تمام انسان ایک امت (ایک عالمگیر برادری) بن کر رہیں اور باہمی اختلافات پیدا نہ کریں۔

(ب) یہ اختلافات صرف وحی خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے مٹ سکیں گے۔ یہ زندگی رحمت کی زندگی ہے۔

(ج) جولوگ وحی کے مطابق زندگی بسرنہیں کریں گے ان کے اختلافات مٹ نہیں سکیں گے یہ عذاب کی زندگی ہو گی۔

تفرقہ مت پیدا کر لینا

(8) ان حقائق کی وضاحت کے بعد مسلمانوں سے کہہ دیا گیا کہ :وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ..... (3:105)- ''دیکھنا! تم بھی کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کی طرف سے واضح حقائق مل جانے کے بعد' فرقے بنا لئے اور آپس میں اختلاف کرنے لگ گئے۔'' وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ..... (3:105)- ''یہ لوگ جو فرقوں میں بٹ جاتے ہیں اور آپس میں اختلاف کرنے لگ جاتے ہیں' ان پر سخت عذاب مسلط کر دیا جاتا ہے۔'' اس کے بعد کی دو آیات میں قرآن نے بتایا ہے کہ اختلاف اور تفرقہ کی زندگی درحقیقت' ایمان کے بعد کفر کی زندگی ہے اور روسیاہی کا موجب۔ اس کے برعکس' وحدت و ائتلاف کی زندگی سے سرخروئی نصیب ہوتی ہے اور خدا کی رحمت۔۔۔ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ O وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ..... (3:106-107)-

ان آیات سے ظاہر ہے کہ فرقہ بندی اور باہمی اختلاف کی زندگی لعنت اور عذاب کی زندگی ہے اور خدا کی رحمت ان پر ہوتی ہے جو ایک امت بن کر رہتے اور اختلافات سے بچتے ہیں۔

ضمناً یہ بھی دیکھئے کہ قرآن نے اختلاف اور افتراق کا نتیجہ عذاب عظیم بتایا ہے۔ عظیم کا لفظ جس باب سے آیا ہے اس میں دوام اور استمرار کا پہلو مضمر ہوتا ہے یعنی یہ عذاب وقتی اور ہنگامی نہیں ہوگا بلکہ استمراری اور دوامی ہو گا۔ جب تک فرقہ بندی رہے گی یہ عذاب بھی مسلط رہے گا۔

فرقہ بندی شرک ہے

(9) قرآن نے اس سے بھی آگے بڑھ کر' مسلمانوں سے کہہ دیا کہ :وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ..... (30:31)- ''دیکھنا! کہیں تم توحید پرست ہو جانے کے بعد پھر مشرک نہ بن جانا۔!!''

یہ چیز بڑی تحیر انگیز اور (بظاہر) ناقابل فہم تھی کہ مسلمان' ایک خدا پر ایمان لانے کے بعد پھر مشرک کس طرح بن سکتے ہیں؟ کیا یہ بتوں کو پوجنا شروع کر دیں گے؟ قرآن کہتا ہے کہ نہیں۔ شرک بتوں کی پرستش ہی نہیں۔ جیسا کہ ہم بنی اسرائیل کی گئو سالہ پرستی کے قصے میں دیکھ آئے

ہیں' بت پرستی تو ''شرک خفی'' (کم درجے کا شرک) ہے۔ ''شرک جلی'' اور ہے۔ اس کی وضاحت میں بتا دیا کہ مشرک ہو جانے سے مطلب یہ ہے کہ: وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ O مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَ كَانُوا شِيَعًا..... (30:32)- ''یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈال دیا اور فرقے بن گئے۔'' اس فرقہ بندی سے ہوتا یہ ہے کہ: كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (30:32)- ہر فرقہ اس خیال میں مگن رہتا کہ میں حق پر ہوں اور باقی فرقے باطل پر ہیں۔ فرقہ پرستی کی یہ ایسی نفسیات ہے جس کا مشاہدہ ہم ہر وقت کر سکتے ہیں۔ اس آیت میں كُلُّ حِزْبٍ کے ٹکڑے کو خاص طور پر ذہن میں رکھئے کیوں کہ یہ ایک اہم حقیقت کا پردہ کشا ہے جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔

فرقہ سازوں سے رسولؐ کا کوئی تعلق نہیں

بہرحال قرآن نے امت واحدہ سے کھلے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر تم نے دین میں فرقے پیدا کر لئے تو یہ توحید نہیں' شرک ہو گا اور کوئی فرقہ یہ کہہ کر اس سے بری الذمہ نہیں ہو سکے گا کہ ہم اصلی اور حقیقی اسلام پر قائم ہیں اور دوسرے فرقے باطل پر ہیں۔ اسی بناء پر رسولؐ اللہ سے کہہ دیا گیا کہ: اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ..... (6:159)- ''جو لوگ اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر دیں' اور ایک فرقہ بن کر بیٹھ جائیں' اے رسول! تجھے ان سے کوئی تعلق نہیں۔'' یعنی فرقے بنانے والوں سے نہ خدا کا کوئی تعلق ہے (کیوں کہ وہ توحید پرست نہیں رہتے' مشرک ہو جاتے ہیں) اور نہ ہی خدا کے رسول کا ان سے کوئی واسطہ۔ کیوں کہ رسول نے تو ایک دین قائم کیا اور ایک امت بنائی تھی۔ یہ الگ امت بنا لینے والے' درحقیقت ایک متوازی دین (نظام زندگی) کے حامل ہو گئے اس لئے انہیں اس رسول سے کیا تعلق؟

اس مقام پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ رسولؐ اللہ نے ایک امت بنائی جو دین حق پر قائم تھی۔ اس امت میں سے ایک فرقہ نکل کر الگ ہو گیا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ نیا فرقہ شرک کے جرم کا مرتکب اور باطل پرست ہے۔ بقیہ امت کو جو اپنے مسلک پر قائم ہے اسے ایک فرقہ ٹھہرا کر اسی جرم کا مرتکب قرار دے دینا تو کسی صورت میں درست نہیں ہو سکتا؟ یہ اعتراض اہم ہے لیکن اس کا جواب یا اس مشکل کا حل' ذرا آگے چل کر سامنے آئے گا۔

صلوٰۃ وجہ جامعیت

(10) سورہ روم کی جس آیت میں کہا گیا ہے کہ: وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ..... اس سے پہلے ہے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ''صلوٰۃ کو قائم رکھو' اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔'' یعنی ان میں سے جنہوں نے دین میں فرقے پیدا کر دیئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ دین میں نظام صلوٰۃ وہ بنیادی حقیقت ہے کہ جب تک یہ قائم رہے' فرقے

نہیں بن سکتے۔ یہی وجہ ہے جو قرآن نے کہا ہے کہ جب انبیاؑء کے جانے کے بعد ان کی امت فرقوں میں بٹ جاتی ہے تو وہ حقیقت صلوٰۃ کو ضائع کر دیتی ہے اور اپنے اپنے جذبات کے پیچھے لگ جاتی ہے۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ ..... (19:59)- اس کی زندہ شہادت خود ہماری اپنی حالت ہے۔ ہماری کیفیت یہ ہے کہ وہی صلوٰۃ جسے قرآن نے وحدت امت کا محکم ذریعہ بتایا تھا' آج مختلف فرقوں کی تمیز و تفریق کی علامت بن گئی ہے۔ چنانچہ اگر آپ نے دیکھنا ہو کہ فلاں شخص کس فرقے سے متعلق ہے تو یہ دیکھو کہ وہ نماز کس طرح پڑھتا ہے؟ (یہی وجہ ہے کہ جب طلوع اسلام کے خلاف اس کے مخالفین نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ یہ ایک نیا فرقہ ہے انہیں اپنے اس دعویٰ کی تائید میں یہ الزام بھی تراشنا پڑا کہ یہ لوگ تین وقت کی نماز پڑھتے ہیں اور ایک رکعت میں ایک ہی سجدہ ضروری سمجھتے ہیں۔ گویا انہوں نے ثابت یہ کرنا چاہا کہ چونکہ ان کی نماز اور فرقوں سے مختلف ہے اس لئے یہ ایک نیا فرقہ ہے۔ حالانکہ یہ سب بہتان تراشی اور افترا پردازی تھی۔ نہ طلوع اسلام کوئی الگ نماز تجویز کرتا ہے نہ الگ فرقہ بناتا ہے۔ (جس کے نزدیک فرقہ سازی شرک ہو وہ بھلا خود فرقہ کیسے بن جائے گا؟)

مسجد ضرار

بہرحال' یہ جملہ معترضہ تھا ہم کہہ رہے تھے کہ قرآن نے صلوٰۃ کو امت واحدہ کے لئے وجہ جامعیت قرار دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ خود رسولؐ اللہ کے زمانے میں بعض تفرقہ انگیزوں نے ایک نئی مسجد تعمیر کی تو قرآن نے جس شدت سے اس کی مخالفت کی اس کا اندازہ سورہ توبہ کی متعلقہ آیات سے لگ سکتا ہے۔ سنئے! اور غور سے سنئے کہ قرآن اس باب میں کیا کہتا ہے: وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا..... (9:107)- ''جن لوگوں نے اس غرض سے مسجد تعمیر کرائی کہ اس سے ملت اسلامیہ اور خود دین کو نقصان پہنچایا جائے۔'' وَ كُفْرًا ''اور کفر کی حمایت کی جائے یا کفر کی روش اختیار کی جائے۔'' وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ..... ''یعنی اس غرض سے کہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کیا جائے۔ تم اس مسجد کو مسجد سمجھتے ہو؟ یہ مسجد نہیں۔ اِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ..... ''یہ وہ کمین گاہ ہے جس میں بیٹھ کر وہ شخص جو اس سے پہلے خدا اور رسول (نظام خداوندی) کا دشمن تھا ملت پر تیر اندازی کرے گا۔'' یعنی یہ مسجد نہیں' یہ وہ قلعہ ہے جس کے اندر خدا اور رسول کے دشمن پناہ لے کر دین کے قصر مشید کو منہدم کرنے کی مذموم کوشش کریں گے۔ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى..... ''یہ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اس مسجد کی تعمیر سے ہمارا ارادہ بجز بھلائی کے اور کچھ نہیں۔ ہم دین کی تخریب تھوڑا چاہتے ہیں۔'' وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ..... ''تم ان کی باتوں میں نہ آجانا۔ خدا گواہ

ہے کہ یہ یکسر جھوٹے ہیں۔ ''لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا..... ''اے رسول! تم اس مسجد میں ایک قدم بھی نہ رکھنا۔ یہ مسجد یونہی سمجھئے کہ دوزخ کے کنارے پر کھڑی ہے۔ جس نے اسے بنایا ہے اور جو اس میں داخل ہو گیا۔ یہ ان سب کو لے کر جہنم کے عمیق گڑھے میں جا گرے گی۔ (9:107-109)- چنانچہ تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے کہ رسولؐ اللہ نے صحابہؓ کو بھیج کر اس مسجد کو منہدم کرا دیا۔

اس واقعہ سے آپ اندازہ لگائیے کہ اسلام میں فرقہ بندی کس قدر شدید اور سنگین جرم ہے کہ (اور تو اور) اگر کسی مسجد کی تعمیر سے بھی فرقہ بندی کی جھلک پڑتی ہو، تو اس مسجد کا گرا دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ مسجد گرائی جا سکتی ہے لیکن فرقہ کی طرح نہیں پڑنے دی جا سکتی۔ کیوں کہ فرقہ بندی بہ نص صریح شرک ہے اور شرک جلی۔

☆☆☆

امت واحدہ کی تشکیل

(11) یہ تھیں وہ کھلی کھلی ہدایات جو وحدت امت کے سلسلہ میں مسلمانوں کو دی گئیں۔ انہی ہدایات کی بنا پر نبی اکرمؐ نے امت واحدہ کی تشکیل فرمائی۔ یہ وہ امت تھی جس کا نظام ایک تھا۔ ضابطہ زندگی ایک تھا۔ مرکز ایک تھا۔ دین ایک تھا۔ راستہ ایک تھا۔ نصب العین ایک تھا۔ ان میں نہ کسی قسم کا اختلاف تھا نہ افتراق۔ یہی تھی وہ جماعت جس کے متعلق خدا نے کہا ہے کہ: **فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا**..... (3:102)- ''اللہ نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے میں مدغم کر دیا اور دین کے ذریعہ تمہیں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔'' رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ۔

اس کے بعد امت پر کیا گذری؟ یہ ایک حدیث ہے دلخراش اور داستان ہے جگر سوز۔ اس لئے تفصیل میں گئے بغیر، قرآن کے الفاظ میں صرف اتنا سن لیجئے کہ: **وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ**..... (42:14)- جس طرح امم سابقہ نے، وحی کے مل جانے کے بعد، باہمی ضد اور سرکشی کے جذبے سے دین میں فرقے بنا ڈالے تھے، یہ بھی فرقوں میں بٹ گئے۔ قرآن کے اس قدر واضح، بین اور صریح احکام و ہدایات، تنبیہات و تاکیدات کی موجودگی میں، امت کا فرقوں میں بٹ جانا یقیناً ایک تحیر انگیز واقعہ ہے۔ لیکن اس حقیقت سے کسے انکار ہو سکتا ہے کہ امت فرقوں میں بٹی اور یہ فرقے اب تک موجود ہیں۔ اس مقام پر رہ رہ کر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ فرقوں میں بٹنے والے اپنی اس روش کے جواز میں بالآخر کوئی تو دلیل پیش کرتے ہی ہوں گے؟ جی ہاں! وہ دلیل پیش کرتے ہیں۔

اختلاف امتی رحمتہ

غور سے سنئے وہ دلیل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ .....رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ **اختلاف امتی**

رحمتہ (میری امت میں اختلاف رحمت ہے)۔آپ نے سوچا کہ یہ بات کیا ہوئی؟ یعنی وہ اختلاف جس کے متعلق قرآن نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ وہ خدا کا عذاب ہے۔ باعث کفر ہے۔شرک ہے۔اسی اختلاف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ نے اسے باعث رحمت قرار دیا! جوشخص ذرا بھی قرآنی تعلیم سے مس رکھتا ہو وہ بلا ادنیٰ تامل کہہ دے گا کہ عربی زبان کا یہ فقرہ کبھی رسولؐ اللہ کا نہیں ہوسکتا۔حضورؐ نے کبھی ایسا نہیں فرمایا ہوگا۔ یہ ناممکن ہے کہ خدا ایک چیز کو عذاب قرار دے اور اس کا رسول اسے رحمت بتائے۔لیکن آپ یہ کچھ کہتے رہئے اور فرقہ پرست اپنی بات پر اڑے رہیں گے کہ نہیں۔۔۔رسولؐ اللہ نے ایسا فرمایا اور ضرور فرمایا تھا۔ یہ محض اس لئے کہ اگر اس فقرے کو حدیث رسولؐ اللہ قرار نہ دیا جائے تو پھر فرقہ بندی کے لئے جواز کی راہ کوئی نہیں رہ جاتی۔لیکن وہ جو قرآن نے کہا ہے کہ جو لوگ حقیقت کو طوعاً (بہ طیب خاطر) نہیں مانتے' حقیقت ان سے اپنے آپ کو کرہاً (مجبوراً) منوالیتی ہے۔ اس کی ایک مثال ہمارے سامنے ہے۔عرصہ کی بات ہے کہ مرزائیوں کے خلاف یہ اعتراض کیا گیا کہ انہوں نے ایک نیا فرقہ بنا کر امت میں اختلاف پیدا کر دیا ہے۔اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اگر ہمارے کسی عمل سے امت میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے تو امت کو اس کے لئے ہمارا شکر گذار ہونا چاہئے نہ کہ شکوہ سنج۔اس لئے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ **اختلاف امتی رحمتہ**۔ ہمارا یہ نیا فرقہ امت کے لئے مزید رحمتوں کا باعث ہے۔

یہ حدیث نہیں

آپ سوچئے کہ ان کے اس جواب کا جواب الجواب کیا ہوسکتا ہے۔؟ اس کے جواب میں (جمعیت اہل حدیث کے ترجمان ''الاعتصام'' 1 کو) مجبوراً کہنا پڑا کہ **اختلاف امتی رحمتہ** کوئی حدیث ہی نہیں۔اس لئے اسے سند میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔لیکن اب اس فقرے کو حدیث نہ قرار دینے سے کیا حاصل؟ اس نے جس قدر تباہی مچانی تھی اس ایک ہزار برس میں مچا دی۔ اس نے امت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے' انہیں فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کر کے مستقل جنگ وجدل کا سامان پیدا کر دیا۔اس نے ان کی سلطنتیں تباہ کر دیں۔ان کی شوکت وعظمت کو تباہ کر دیا۔ان کی دنیا اور عاقبت دونوں خراب کر دیں۔ایسی عظیم ہلاکتوں اور تباہیوں کے بعد اگر اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا کہ یہ فرمان رسول نہیں ہے تو اس سے ان نقصانات کی تلافی کیا ہوگی؟ اس قسم کی ہیں وہ وضعی حدیثیں جن کے متعلق طلوع اسلام کہا کرتا ہے کہ یہ عجمی سازش کا نتیجہ ہیں' اور یہی ہے اس کا وہ جرم جس کی پاداش میں اسے گردن زدنی اور کشتنی قرار دیا جاتا ہے۔

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس حدیث کو وضعی قرار دیئے جانے کے باوجود' اسے فرقہ بندی کے جواز میں برابر

پیش کیا جاتا ہے۔

(73) تہتر فرقے

بہرحال' یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں کہہ یہ رہا تھا کہ فرقہ بندی کے جواز میں **اختلاف امتی رحمتہ** کو بطور دلیل پیش کیا گیا۔ لیکن اس میں ایک سقم ہے وہ یہ کہ اس کی رو سے تمام فرقے موجب رحمت' فلہٰذا حق پر قرار پا جاتے ہیں۔ اور فرقہ بندی اسے کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ ہر فرقہ کو سچا سمجھا جائے۔ لہٰذا اس کے لئے ایک اور حدیث وضع کی گئی جس میں کہا گیا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے۔ ان میں سے ایک فرقہ ناجی ہوگا۔ باقی سب جہنمی ہوں گے۔ آپ نے غور فرمایا کہ اس میں ایک فرقہ کی استثناء نے کس طرح ہر فرقے کو مطمئن کر دیا کہ وہ حق پر ہے اور باقی سب باطل پر ہیں۔ قرآن کریم نے فرقوں کے متعلق کہا تھا کہ: كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ..... (30:32)- ہر فرقہ اس زعم باطل میں مبتلا رہتا ہے کہ وہ حق پر ہے۔ یعنی قرآن نے ''كُلُّ حِزْبٍ'' (تمام فرقے) کہہ کر اس چور دروازے کو بند کر دیا تھا جس کے راستے فرقہ پرستی کا جھوٹا اطمینان داخل ہو سکتا تھا۔ لیکن اس وضعی روایت نے ''ایک فرقہ'' کی استثناء سے اس چور دروازے کو چوپٹ کھول دیا۔ چنانچہ ہماری ہزار سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اسی استثناء کی آڑ میں ہر فرقہ اپنے آپ کو ناجی اور دوسرے فرقوں کو جہنمی قرار دینے کے ''جہاد عظیم'' میں مصروف چلا آ رہا ہے اور ان کے خون کے چھینٹوں کو اپنے لئے وجہ سرخروئی سمجھ رہا ہے۔

ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوؤں کا مشغلہ روز اول سے جاری چلا آ رہا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات کی جڑیں آئے دن وجہ سوہان روح ہوتی ہیں۔ ان فسادات کی بیشتر بنیاد مساجد کی ''تقسیم'' ہوتی ہے۔ باہمی جھگڑے طول کھینچتے ہیں تو پولیس مسجد پر تالہ لگا دیتی ہے۔ مقدمہ عدالت تک پہنچتا ہے اور اس تمام دنگا فساد میں ہر فرقہ اپنے آپ کو ناجی اور فریق مقابل کو جہنم کا کندہ قرار دیتا ہے اور ستم ظریفی یہ کہ دونوں اپنے آپ کو اس اسلام کے پیرو قرار دیتے ہیں جس نے فرقہ بندی کو شرک قرار دیا تھا۔

☆☆☆

پس چہ باید کرد؟

(12) سوال یہ ہے کہ ان حالات میں کیا کیا جائے؟ فرقے بہرحال موجود ہیں اور ان میں کوئی بھی اپنے آپ کو مٹانے کے لئے تیار نہیں' ہر فرقہ' فرقے مٹانے کی تدبیر یہ بتاتا ہے کہ دوسرے فرقے اپنے آپ کو اس فرقے میں شامل کر لیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس کے لئے کوئی فرقہ بھی تیار نہیں۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ اس مشکل کا حل کیا ہے؟ یہ سوال بڑا اہم اور بڑا نازک ہے۔ اس لئے اس پر گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے۔

(i) قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر قسم کے اختلاف

مٹانے آیا ہے۔

(ii) اس پر ہمارا ایمان ہے۔

(iii) قرآن ہمارے پاس اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔

اب آپ سوچئے کہ اگر ہم اس کے بعد بھی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اختلافات مٹ نہیں سکتے اور فرقے ختم نہیں ہو سکتے تو اس کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے؟ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ (معاذ اللہ) قرآن میں اب اس کی صلاحیت نہیں کہ وہ اختلافات مٹا سکے۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا آپ میں سے کوئی بھی ایسا کہنے کی جرات کرسکتا ہے؟ لیکن اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ اب ہمارے فرقے مٹ نہیں سکتے تو اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں کہ ہم عملاً اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ قرآن کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ وہ فرقوں کو مٹا سکتا ہے! اگر قرآن کی صداقت پر ہمارا ایمان ہے تو ہمیں سب سے پہلے اس خیال کو دماغ سے نکال دینا ہوگا کہ قرآن کے ہوتے ہوئے بھی فرقے نہیں مٹ سکتے۔ یاد رکھئے! قرآن کا ہر دعویٰ سچا ہے اور اس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ اختلافات کو مٹا دے۔ اس کے بعد سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ طریق کیا ہے جس کے مطابق قرآن اختلافات کو مٹاتا ہے۔

فرقہ اہل قرآن

آج سے کچھ عرصہ پہلے ہمارے ہاں (پنجاب میں) ایک جماعت پیدا ہوئی جس کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ خالص قرآن پر عمل کرے گی اور اس طرح مسلمانوں میں پیدا شدہ اختلافات کو مٹا دے گی۔ یہ مقصد بڑا نیک اور یہ دعویٰ بڑا مبارک تھا۔ لیکن اس کا جو عملی نتیجہ ہمارے سامنے آیا وہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ اس سے سابقہ فرقوں کا مٹنا تو کجا' ان میں ایک اور فرقے ''اہل قرآن'' کا اضافہ ہوگیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اختلافات مٹانے کے لئے قرآن نے جو طریق بتایا تھا وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔ اس لئے ان کی یہ کوشش ناکام رہی۔ بدقسمتی یہ کہ ان کی ناکامی نے خود قرآن کے مشن کو بڑا نقصان پہنچایا۔ اس طرح کہ اب اگر کسی سے کہا جاتا ہے کہ ہمارے اختلافات قرآن کی رو سے مٹ سکتے ہیں تو اس کے جواب میں طنزاً یا ٹھنڈی سانس بھر کر کہہ دیتا ہے کہ صاحب! یہ نسخہ بھی آزمایا جا چکا اور ناکام ثابت ہو چکا ہے۔ یعنی ان حضرات کی ناکامی نے خود قرآن کے متعلق یہ خیال پیدا کر دیا کہ (معاذ اللہ) اس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں رہی کہ یہ اختلافات کو مٹا سکے۔

اختلافات مٹانے کا طریق

(13) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن ان اختلافات کو مٹانے کا کیا طریق بتاتا ہے؟ سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ قرآن یہ کہتا ہے کہ: **وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ**..... (42:10)- ''جس معاملہ میں بھی تمہیں اختلاف ہو اس کا فیصلہ (حکم) اللہ کی

طرف سے ہونا چاہئے۔'' اس میں ''حکم'' کا لفظ غور طلب ہے۔یعنی یہ انفرادی چیز نہیں کہ دو آدمیوں میں کسی بھی مسئلہ میں اختلاف ہو اور وہ اپنے طور پر قرآن سے فیصلہ لینے بیٹھ جائیں۔ متنازعہ فیہ امور میں حکم یا فیصلہ' ہمیشہ تیسرے مقام سے ملا کرتا ہے اسے حکم یا ثالث کہتے ہیں۔ اسی مقصد کے لئے قرآن نے رسولؐ اللہ سے کہا تھا کہ: فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا O (4:65)-''تیرا رب اس حقیقت پر شاہد ہے کہ یہ کبھی صاحب ایمان نہیں کہلا سکتے' جب تک یہ اپنے اختلافی امور میں تجھے اپنا حکم (فیصلہ دینے والا) تسلیم نہ کریں اور جو فیصلہ یہاں سے صادر ہو' اس کے خلاف اپنے دل میں گرانی محسوس نہ کریں بلکہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔''

یعنی قرآن سے فیصلہ انفرادی طور پر نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے لئے ایک زندہ اور محسوس ثالث اور حاکم کی ضرورت ہو گی۔ اس فیصلہ کرنے والی اتھارٹی کو قرآن میں ''اللہ اور رسول'' کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس آیت سے چند آیات پہلے ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ..... (4:59)-''اے جماعت مومنین! تم اللہ اور ..... رسول کی اطاعت کرو۔ اور تم میں سے جنہیں (اللہ اور رسول کی طرف سے) صاحب اختیار بنایا جائے ان کی اطاعت کرو۔''

زندہ مرکز

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ..... (4:59)-''اگر تم میں کسی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو (اسے اپنے طور پر حل کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ) اسے ''اللہ اور رسول'' کی طرف لوٹا دو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو سمجھا جائے گا کہ تمہارا اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں ہے۔'' اس کے معنی صاف یہ ہیں کہ دو افراد میں اختلاف تو ایک طرف' اگر افسران ماتحت کے کسی فیصلہ سے بھی اختلاف ہو تو اسے قرآنی نظام کی مرکزی اتھارٹی (اللہ اور رسول) کی طرف لوٹا دو۔ یہی شرط ایمان ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو یہ کفر ہو جائے گا۔

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ قرآن نے تفرقہ اور اختلاف کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔ اس کفر سے محفوظ رہنے کی عملی شکل یہ بتائی گئی ہے کہ امت کے پاس قرآن اور اور قرآن کی روشنی میں فیصلہ دینے والا رسول۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں ہے: وَ کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ اٰیٰتُ اللّٰہِ وَ فِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ ..... (3:101)-''تم کس طرح کفر میں مبتلا ہو سکتے ہو؟ جب کہ حالت یہ ہے کہ (i) تمہارے پاس کتاب اللہ موجود ہے اور (ii)

اس کے ساتھ تم میں اس کا رسولؐ موجود ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تک امت میں (i) قرآن' اور (ii) رسول موجود ہو' فرقے پیدا نہیں ہو سکتے۔

اس سے ہمارے سامنے ایک اور سوال آ گیا۔ اور وہ یہ کہ قرآن کی ان آیات سے تو یہ معلوم ہوا کہ رسولؐ اللہ کی موجودگی (یعنی زندگی) تک امت نے فرقوں سے بچے رہنا تھا لیکن آپ کے بعد فرقوں سے محفوظ رہنے کی کوئی صورت نہیں تھی کیونکہ فرقوں سے بچنے کے لئے قرآن اور رسول دونوں کی موجودگی کی ضرورت تھی اور جب ان میں سے ایک جزو (رسول) موجود نہ رہا تو فرقہ بندی سے محفوظ رہنے کا امکان بھی باقی نہ رہا۔

فیکم رسول کے معنی

قرآن کہتا ہے کہ تم نے بات کو صحیح طور پر نہیں سمجھا۔ تم اس خیال میں ہو کہ ''رسول ﷺ کی موجودگی'' سے مراد یہ ہے کہ جب تک محمدؐ رسول اللہ تم میں زندہ موجود ہیں اس وقت تک یہ شکل باقی رہے گی۔ جب وہ وفات پا جائیں گے تو پھر ''رسول'' موجود نہیں رہے گا۔ یہ بات غلط ہے۔ یہ سلسلہ رسول کی طبعی زندگی سے مشروط نہیں۔ اس کے بعد بھی قائم رہے گا۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں یہ کہہ کر اس کی صراحت کر دی گئی کہ: **وَمَا مُحَمَّدُ اِلَّا رَسُوْلُ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِكُمْ**..... (3:144)- ''محمدؐ بجز ایں نیست کہ اللہ کا رسول ہے۔ اس سے پہلے بہت سے رسول (اپنا فریضہ پیغام رسانی ادا کرنے کے بعد) دنیا سے چلے گئے۔ سو اگر (کل کو) یہ وفات پا جائے یا قتل کر دیا جائے تو کیا تم یہ سمجھ کر کہ یہ نظام اس کی زندگی تک محدود تھا) پھر اپنی سابقہ روش کی طرف لوٹ جاؤ گے''؟ **وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا**..... (3:144)- ''جو (رسول کی وفات پر) اپنی سابقہ روش پر لوٹ جائے گا تو وہ اللہ کو نقصان نہیں پہنچائے گا'' (اپنا ہی کچھ بگاڑے گا)۔

اس سے بات بالکل واضح ہو گئی۔ یعنی یہ کہ: **و فیکم رسول اللہ**..... سے مراد رسولؐ اللہ کی طبعی زندگی نہیں۔ آپؐ کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ بدستور باقی رہ سکتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد

جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے تو امت میں کہرام مچ گیا۔ ایسا ہونا فطری امر تھا۔ شدت جذبات میں بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ جس نظام کو رسول اللہ ﷺ نے قائم فرمایا تھا' اب وہ ختم ہو گیا۔ اس کے لئے **و فیکم رسولہ**..... کی شرط تھی۔ اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ بر سر منبر تشریف لائے اور **و فیکم رسولہ**..... کا قرآنی مفہوم اس انداز سے سمجھا دیا کہ اس سے بہتر انداز کوئی ہو نہیں سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ: **یایھا الناس من کان منکم یعبد**

محمد افانه قد مات و من کان یعبد الله فانه حی لا یموت ''اے لوگو! جو تم میں سے محمدؐ کی محکومیت اختیار کئے تھا۔ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا معبود وفات پا گیا ہے لیکن جو خدا کی محکومیت اختیار کئے تھا اس کا معبود زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔'' اس کے بعد آپ نے وہی آیت پڑھی جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ یعنی وما محمد الا رسول..... اس سے حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آ گئی۔ حاضرین سمجھ گئے کہ رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد یہ نظام کس طرح قائم رہے گا۔ چنانچہ وہ اٹھے اور انہوں نے فوراً خلیفته الرسول (یعنی رسول اللہ کے جانشین) کا انتخاب کیا اور اس طرح رسولؐ اللہ کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا تھا اسے پر کر لیا۔ اس لئے کہ یہ ظاہر ہے کہ کسی کے جانشین کی موجودگی خود اس کی اپنی موجودگی ہوتی ہے۔ اس طرح امت میں ''قرآن اور رسول'' بدستور موجود رہے۔

خلیفۃ الرسول کی حیثیت

اس مقام پر اتنا اور واضح کر دینا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اسلامی نظام قائم کرنے کے فریضہ کی ادائیگی پوری امت کے ذمے عائد ہوتی تھی۔ اس لئے کہ قرآن نے واضح الفاظ میں بتا دیا تھا کہ (i) کتاب اللہ کی وارث امت ہے نہ کہ کوئی ایک فرد۔ سورہ فاطر میں ہے۔ وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌ بَصِیْرٌ O (35:31)- ''اللہ وہ ہے جس نے تیری طرف (اے رسول) یہ کتاب نازل کی جو ان حقیقتوں کو سچ کر دکھانے والی ہے جو اس کے سامنے ہیں۔'' ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ..... (35:32)- ''اس کے بعد اس نے اس کتاب کی وراثت کے لئے اپنے بندوں میں سے (اس امت کو) منتخب کر لیا ہے۔'' یعنی پہلی بات یہ ہے کہ قرآن کی وارث پوری کی پوری امت ہے۔ اس کے بعد آگے بڑھئے۔

(ii) رسولؐ اللہ کا فریضہ یہ تھا کہ: یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ ..... (7:157)- وہ معروف کا حکم دیتا تھا اور منکر سے روکتا تھا۔ اب یہی فریضہ امت کی طرف منتقل ہو گیا۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں ہے۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ..... (3:109)- ''تم بہترین امت ہو، جسے نوع انسانی کی فلاح و بہبود کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تمہارا فریضہ یہ ہے کہ تم معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو۔''

امت کا نمائندہ

ان حقائق سے واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جانشین درحقیقت پوری کی پوری امت ہے۔ عملی انتظام کی سہولت کے لئے امت اپنے میں سے بہترین فرد کو اپنا نمائندہ بنا کر اس سلسلہ کو قائم رکھتی ہے۔ اس طرح امت

میں ''کتاب اور رسول'' بدستور باقی رہتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں اختلافات کے رونما اور فرقوں کے پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں رہتا۔ چنانچہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ دور خلافت میں نہ کوئی اختلاف پیدا ہوا' نہ کسی فرقے نے جنم لیا۔ اس لئے کہ اس دور میں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی اختلافی معاملہ کے تصفیہ کے لئے افراد امت از خود فیصلہ کرنے بیٹھ گئے ہوں۔ اختلافی امور میں مرکزی اتھارٹی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا اور اس کے فیصلوں کی اطاعت سب پر لازم تھی۔ اسی اتھارٹی کو خلافت علیٰ منہاج نبوت کہا جاتا ہے۔

ایک اہم سوال کا جواب

یہیں سے ہمیں اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے جس کی طرف میں نے شروع میں اشارہ کیا تھا۔ یعنی یہ سوال کہ امت ایک طریق پر قائم ہے۔ کچھ لوگ اس طریق سے اختلاف کر کے الگ فرقہ بنا لیتے ہیں' اس صورت میں امت دو فرقوں میں بٹ گئی۔ جن لوگوں نے الگ فرقہ بنا لیا وہ تو یقیناً مجرم ہیں' لیکن جو پہلے طریق پر قائم رہے انہیں تو مجرم نہیں قرار دیا جا سکتا۔ بالکل ٹھیک ہے۔ یہ ہے وہ دلیل جسے ہر فرقہ کی طرف سے یہ کہہ کر پیش کیا جاتا ہے کہ ہم حقیقی اسلام پر قائم ہیں اور الگ فرقے دوسروں نے بنائے ہیں۔ لیکن ایسا کہنے میں اس حقیقت کو فراموش کر دیا جاتا ہے کہ جب تک ''**فیکم رسولہ**'' کی کیفیت رہے۔ یہ صورت جسے یوں بیان کیا جاتا ہے' پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ اس وقت اگر کوئی جماعت' امت سے اختلاف کرے گی تو رسولؐ کا جانشین قرآن کے اس حکم کے ماتحت کہ: **اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ**..... (6:159)- اس امر کا اعلان کر دے گا کہ امت کو اس نئے فرقے سے کوئی سروکار نہیں۔ لہٰذا وہ امت کا فرقہ کہلا ہی نہیں سکے گا۔ اسے مسلمانوں سے کچھ واسطہ ہی نہیں رہے گا۔ وہ اسلام کے دائرہ سے خارج ہو گا۔ اس لئے امت' امت واحدہ ہی رہے گی۔ یعنی خلافت علیٰ منہاج نبوت میں' مسلمانوں میں کوئی فرقہ پیدا ہی نہیں ہو سکے گا۔

بہرحال یہ تھی وحدت امت کی وہ عملی شکل جسے قرآن نے رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد تجویز کیا تھا اور جسے حضورﷺ کی وفات کے بعد اختیار کیا گیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ صورت قائم نہ رہی' خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی۔ سلاطین نے اپنی مصلحتوں کے ماتحت سیاست کو مذہب سے الگ کر لیا۔ اس یکسر غیر قرآنی تقسیم کی رو سے' سیاست سے متعلق امور کے فیصلے بادشاہ خود کرتے تھے۔ باقی رہی شریعت' سو اس کے متعلق اس کے سوا کوئی صورت ہی نہ تھی کہ لوگ انفرادی طور پر فیصلے کرتے۔ اس ضمن میں ایک اور دشواری سامنے آئی۔ قرآن نے ''اللہ اور رسول'' کی اطاعت کا حکم دیا تھا۔ ''اللہ اور رسول'' کا جو مفہوم قرآنی نظام میں لیا جاتا تھا۔ اس مفہوم کی اب گنجائش ہی نہ تھی۔

اس لئے کہ اب وہ نظام ہی باقی نہ تھا۔ لہٰذا اب ''اللہ اور رسول'' کی اطاعت کا کوئی نیا مفہوم لیا جانا ناگزیر ہو گیا۔ اللہ کی اطاعت کے متعلق تو سمجھ لیا گیا کہ اس سے مراد کتاب اللہ کی اطاعت ہے' لیکن رسول ﷺ کی اطاعت کس طرح کی جائے۔ یہ سوال مشکل تھا۔ اس کے حل کے لئے اس کے سوا کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی کہ حضور ﷺ کی احادیث کی طرف رجوع کیا جائے۔ زمانہ خلافت میں چونکہ اطاعت رسول کا عملی مفہوم سامنے تھا۔ اس لئے احادیث کے جمع اور مرتب کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب اس کی ضرورت پڑ گئی لہٰذا احادیث کے مجموعے مرتب کئے گئے۔ اب ''اللہ اور رسول'' کی اطاعت کا طریق یہ قرار پایا کہ قرآن اور حدیث کی رو سے متنازعہ فیہ امور کے فیصلے انفرادی طور پر کئے جائیں۔ ان انفرادی فیصلوں میں اختلاف ناگزیر تھا۔ اس لئے مختلف فرقوں کے نزدیک ''قرآن اور حدیث'' کے فیصلے مختلف ہو گئے۔ ان اختلافات کو مٹانے کے لئے مناظرے اور مباحثے شروع ہو گئے۔ اس کا جو نتیجہ نکلا وہ ہمارے سامنے ہے' یعنی:-

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی.....

چنانچہ آج حالت یہ ہے کہ امت میں بیسیوں فرقے موجود ہیں اور ہر فرقہ خدا اور رسول کی اطاعت کا مدعی اور حقیقی اسلام پر کاربند ہونے کا دعویدار ہے' اور چونکہ اختلافات مٹانے والی کوئی زندہ اتھارٹی موجود نہیں۔ یعنی ''فیکم رسولہ'' کی شکل باقی نہیں۔ اس لئے کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا کہ کون غلط کہتا ہے اور کون صحیح۔

میرا خیال ہے کہ اب ہم اس مقام تک پہنچ گئے ہیں جہاں ہمیں اس سوال کا جواب از خود مل جائے کہ امت میں وحدت پیدا کرنے کی شکل کیا ہے؟ اس کی شکل یہ ہے کہ جس نظام کے گم ہو جانے سے فرقہ بندی شروع ہوئی تھی' اس نظام کو پھر قائم کر دیا جائے۔ اس کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ اس فکر کو عام کیا جائے کہ فرقوں کی موجودگی اور اسلامی زندگی دو متضاد چیزیں ہیں جو' قرآن کی رو سے ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں اور فرقوں کو مٹا کر اسلامی زندگی پیدا کرنے کا طریق' قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج نبوت) کے قیام کے سوا کوئی نہیں۔ طلوع اسلام کے سامنے یہی مقصد ہے اور اسی کے حصول کے لئے یہ مصروف جدوجہد ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اب قرآنی نظام کے قیام کا کوئی امکان نہیں' تو اسے کم از کم اپنے آپ کو اس فریب میں مبتلا نہیں رکھنا چاہئے کہ ہماری موجودہ زندگی اسلامی زندگی ہے۔ یا (فرقوں کے باوجود) اسلامی ہو سکتی ہے۔ مجھے اس کا احساس ہے کہ آپ اس حقیقت کو سامنے لانے کے لئے بآسانی تیار نہیں ہوں گے۔ آپ اسے کبھی تسلیم نہیں کرنا چاہیں گے کہ فرقوں کی موجودگی میں اسلامی زندگی بسر نہیں ہو سکتی۔ آپ کے نزدیک قابل قبول یہی

مسلک ہوگا کہ تمام فرقوں میں سے ایک فرقہ حق پر ہے' اس سے آپ کو یہ اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ جس فرقے سے میں متعلق ہوں وہ حق پر ہے' لہٰذا اس کے مطابق زندگی اسلامی ہے۔ جو نظریہ آپ سے اس اطمینان کو چھینتا ہے' وہ آپ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ آپ کو اس کے خلاف غصہ آئے گا لیکن آپ کا یہ غصہ خود قرآن کے خلاف ہونا چاہئے جو فرقہ بندی کو شرک قرار دیتا ہے نہ کہ اس کے خلاف جو قرآن کی اس تعلیم کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ یا تو آپ یہ کہئے کہ یہ قرآن کی تعلیم نہیں اور اگر آپ اس کی تردید نہیں کر سکتے تو پھر آپ کے برافروختہ ہو جانے سے قرآنی حقیقت اپنی جگہ سے بدل نہیں جائے گی۔

یاد رکھئے! جب تک آپ اس تلخ حقیقت کو گوارا نہیں کر لیتے کہ فرقہ بندی کی زندگی قطعاً اسلامی زندگی نہیں' آپ قرآن کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر نہیں آ سکتے۔ قرآن کی رو سے صراطِ مستقیم ایک ہی ہے۔ جب امت مختلف راستوں پر چل نکلے تو پھر وہ صراطِ مستقیم کسی کے سامنے بھی نہیں رہتا۔ سورہ انعام میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ: وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ O (6:154)- یاد رکھو! میرا یہی ایک سیدھا راستہ ہے۔ پس تم سب اس کا اتباع کرو۔ اس کے سوا دوسرے راستوں پر نہ چلو۔ وہ راستے تمہیں اس صراطِ مستقیم سے متفرق اور پراگندہ کر دیں گے۔ اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے تا کہ تم تقویٰ شعار رہ سکو۔

بات پھر پھرا کر وہیں آ گئی کہ

(1) فرقے صرف اسلامی نظام میں مٹ سکتے ہیں۔

(2) اسلامی نظام کے معنی ہیں ایک ایسی مملکت کا قیام جو قرآنی اصولوں کے مطابق وجود میں آئے اور جس کا تمام کاروبار قرآنی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے سرانجام پائے۔

(3) اس مملکت کی طرف سے جو قوانین نافذ ہوں گے' ان کا اطلاق مملکت کے تمام مسلم باشندوں پر یکساں ہوگا۔ اس میں نہ کوئی فرقہ ہوگا نہ کسی فرقہ کی الگ فقہ۔ قرآن سب کا ضابطہ قوانین ہوگا۔

قرائن بتا رہے ہیں کہ اس قسم کی قرآنی مملکت کے قیام کے لئے موجودہ مسلمان کبھی راضی نہیں ہوں گے کیوں کہ' یہ سب فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور کوئی فرقہ اپنی فقہ کو چھوڑنے پر آمادہ نظر نہیں آتا۔ اس سے آپ لا محالہ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ہم (موجودہ مسلمانوں) میں نہ ایسا نظام قائم ہوسکتا ہے' نہ فرقے مٹ سکتے ہیں۔

اس کا عملی مفہوم یہی ہے کہ اسلامی نظام اس قوم میں قائم ہو سکے گا جو مندرجہ بالا اصول کو تسلیم کرتے ہوئے اسلام لائے گی۔۔۔ خواہ وہ موجودہ مسلمانوں میں سے

ہوں اور خواہ پہلی بار اسلام لائے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو بھی جو ایمان لانے کے لئے کہا ہے تو اس سے یہی مراد ہے۔ارشاد ہے:- یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ..... (4:136)-اے مسلمانو! تم' ایمان لاؤ اللہ پر' اس کے رسول پر' اور اس کتاب پر جسے خدا نے اپنے رسول پر نازل کیا تھا۔

یہ' از سرِ نو ایمان لانا درحقیقت' فرقہ وارانہ زندگی کو خلاف اسلام تسلیم کر کے' قرآنی نظام کے قیام کی طرف پیش رفت کے لئے قدم اٹھانا ہے۔

یہ مرحلہ بڑا دشوار گذار نظر آتا ہے لیکن' اس کے سوا احیاء اسلام کی کوئی صورت نہیں۔اگر ہم اپنی موجودہ غیر اسلامی زندگی کو اسلامی کہہ کر اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں' تو اس سے ہماری زندگی' اسلامی نہیں ہو جائے گی! اسلامی زندگی کے لئے ''امت واحدہ'' (جس میں کوئی فرقہ نہ ہو) بنیادی شرط ہے' اور یہ صرف قرآنی مملکت میں ممکن ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس' فاضل درسِ نظامی

ہمارے علمائے کرام کے چند فکری مغالطے

ہم مسلمان مجموعی طور پر ہمیشہ اپنی پیشوائیت کے زیر اثر رہے ہیں اور علماء کرام کا امتِ مسلمہ پر ہمیشہ بڑا مضبوط Hold رہا ہے لیکن بڑے دکھ اور رنج کی بات یہ ہے کہ ہماری پیشوائیت کے نظریات ہمیشہ قرآن کے خلاف رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ خود بھی اس دنیا میں کامیاب نہیں رہے ہیں اور خود مسلمانوں کی حالت بھی ہمیشہ خراب رہی ہے۔ ہمارے علمائے کرام ہمیشہ عام مسلمانوں (Laymen) کے متعلق یہ گلہ کرتے رہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن و اسلام کو چھوڑ دیا ہے' اور اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے ان کی مقرر کردہ اسلامی معاشرت کو خیر باد کہہ دیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا سبب اسلامی معاشرت کو ترک کرنا نہیں ہے بلکہ ان کے زوال کا اصل سبب قرآنِ کریم کے نظام کو چھوڑنا ہے۔ ہمارے علماء کرام کبھی اس اصل نقطہ کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے کہ مسلمانوں کا عروج و زوال قرآن کے نظام یعنی اسلامی حکومت کے عروج و زوال کے ساتھ وابستہ ہے' جس وقت بھی مسلمان اسلامی نظام جاری کر دیں گے اور اس کو قوی و پائیدار بنائیں گے' اسی قدر وہ دنیا میں عروج و اقتدار حاصل کریں گے۔ یہ بات کہ ہمارے علماء کرام اسلامی نظام کے مخالف ہیں تقسیم ہند کے وقت کھل کے سامنے آ گئی تھی جبکہ ہماری پیشوائیت کی بھاری اکثریت نے قیام پاکستان کی سخت مخالفت کی تھی۔ اب بھی کچھ تو زمانے کے تقاضوں سے مجبور ہو کر اور کچھ اس وجہ سے کہ تحریک طلوع اسلام نے اسلامی نظام کا اس قدر زور سے پرچار کیا ہے کہ وہ بھی اسلامی نظام کے قیام کے حامی ہو گئے ہیں۔ زبان سے تو وہ مجبوراً اسلامی حکومت کے قیام کی تائید کرتے ہیں لیکن یہ ان کی مجبوری ہے کہ ان کے عقائد اس بارے میں ان کا ساتھ نہیں دیتے۔ ہمارے موجودہ دور کے علماء کرام اس بات کا صحیح طور پر اندازہ ہی نہیں کر رہے ہیں کہ ان کے سب عقائد اسلامی حکومت کے قیام کے مخالف ہیں اور جب تک وہ اپنے موجودہ خلافِ قرآن عقائد کو نہیں چھوڑیں گے' وہ اسلامی حکومت کے قیام میں سب سے بڑی رکاوٹ بنے رہیں گے اور اس طرح وہ خود بھی ایک مغالطہ میں رہیں گے اور دوسروں کو بھی مغالطہ دیتے رہیں گے۔

اس مضمون میں علماء کرام کے ان چند نظریات کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی جائے گی' جونظریات اسلام کے نفاذ یا اسلامی حکومت کے قیام میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

(1) ہمارے علمائے کرام کا عبادت کا تصور ہی غیر قرآنی ہے۔ ہمارے ہاں مذہب اورعبادت تقریباً ایک ہی معنے میں استعمال ہوتے ہیں اور اس سے مراد وہ چند رسومات ہوتی ہیں جن کی ادائیگی سے ہم براہ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرتے ہیں اوراس کوخوش کر کے' اپنے لئے ثواب حاصل کرتے ہیں۔ عبادت کا یہ تصور ہی غیر قرآنی ہے اورعبادت کے اس تصور سے اسلامی حکومت کی بالکل نفی ہو جاتی ہے۔آپ عبادت کا قرآنی تصور ملاحظہ فرمائیں اورخود غورفرمائیں کہ عبادت کے قرآنی تصور میں حکومت کس طرح لازمی و لاینفک ہو جاتی ہے ارشاد ہوتا ہے:

أَنِ اعْبُدُواْ اللّهَ وَاجْتَنِبُواْ الطَّاغُوتَ (16:36)-

اللہ کی عبادت کرواور طاغوت سے بچو۔

اس تقابل سے اللہ کی عبادت کا مفہوم واضح ہوگیا کہ عبادت طاغوت کی ضد ہے کیونکہ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

''ذرا ان لوگوں کوتو دیکھو جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ قرآن پر اور سابقہ کتب پر ایمان لائے ہیں يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ (4:60)- اور چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کے فیصلے غیرخداوندی قوانین سے کرائیں۔''

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ طاغوت سے اجتناب کے معنے ہیں کہ اپنے معاملات کے فیصلے خدائی قوانین کے مطابق کرائے جائیں' اسی کو **اعبدوا الله** کہا گیا ہے۔یعنی خدا کی عبادت کرنا قوانین خداوندی کے مطابق فیصلے کرنا' اور ان کی اطاعت کرنا' یہ ہے عبادت کا قرآنی مفہوم۔ اب آپ خود ملاحظہ فرمائیں کہ عبادت کے اس قرآنی مفہوم میں کس طرح اسلامی حکومت کا قیام ضروری قرار پا جاتا ہے۔

(2) قرآن کریم کی آیت مبارکہ :يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُم بڑی اہم آیات میں شمار ہوتی ہے (4:59)- ''اے ایمان والوں خدا کی اطاعت کرواور رسول کی' اورتم میں سے جو صاحبان امرہوں ان کی اطاعت کرواوراگرتم کسی بات میں جھگڑا کرو' پس اگرتم خدااورروزِ آخرت پرایمان رکھتے ہوتو اس امرمیں خدااوررسول کی طرف رجوع کرو' یہی تمہارے حق میں بہتر ہےاورانجام کی راہ سے بہت اچھا ہے۔'' اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی نظام کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے' یہ آیت اسلامی نظام کے Corner Stone کی حیثیت رکھتی ہے' اس آیت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اگرمسلمان اللہ اورآخرت پرایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ اولی الامر یعنی اپنے مقامی

حکام کی اطاعت کریں' مقامی حکام کی اطاعت سے ہی اللہ و رسول کی اطاعت ہوتی ہے۔ اطاعت کے اس قرآنی مفہوم کے مطابق اسلامی حکومت کا ہونا ضروری ہو گیا' کیونکہ اسلامی حکومت ہو گی تو اس کے مقامی حکام ہوں گے لیکن ہمارے علمائے کرام' اس آیۂ مجیدہ کی تفسیر میں اللہ و رسول کی اطاعت کے لئے اولی الامر کی اطاعت کو لازمی قرار نہیں دیتے وہ اللہ ورسول کی اطاعت قرآن وحدیث کے ذریعے کر لیتے ہیں۔ وہ رسول کے لفظ کا ترجمہ تو رسول ہی کرتے ہیں لیکن عملاً اس سے مراد کتب روایات ہوتی ہیں۔ اس طریقہ سے وہ اللہ ورسول کی اطاعت کے لئے کسی حکومت کو باقی نہیں رہنے دیتے' اور اسلامی حکومت کے قیام کے بالکل منکر ہو جاتے ہیں۔

(3) قرآنِ کریم نے اِلٰہ کا مفہوم حاکم قرار دیا ہے جبکہ ارشاد ہوتا ہے:

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ (25:43)-

''کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنے جذبات کو اپنا حاکم بنا لیا ہے۔''

نیز ارشاد ہوتا ہے:

لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَهاً غَيْرِيْ لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِيْنَ (26:29)-

اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو حاکم ٹھہرایا تو تجھ کو قید کر دوں گا۔

قرآن کریم میں الٰہ کا مفہوم بہت واضح ہے۔ اسی مفہوم کو پیش نظر رکھ کر ہم دن میں پانچ مرتبہ مساجد کے میناروں سے اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی حاکم نہیں ہے۔ الٰہ کے قرآنی مفہوم کے پیشِ نظر اسلامی حکومت کا قیام نہایت ہی ضروری امر ہے۔ جبکہ ہمارے علماء کرام اِلٰہ کے معنے حاکم کی بجائے پرستیدہ (معبود) قرار دے لیتے ہیں اور ان کے اس غیر قرآنی مفہوم سے اسلامی حکومت کی بالکل تردید ہو جاتی ہے' کیونکہ پرستش کے لئے کسی اسلامی حکومت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(4) ارشاد ہوتا ہے:

وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (5:2)-

اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ اور سرکشی پر۔

قرآنِ کریم یہاں تقویٰ کو **عدوان** کے مقابلہ پر لایا ہے اور **عدوان** کے معنے سرکشی کے ہیں۔ اس لئے تقویٰ کے معنے حکومت کی اطاعت کے ہیں۔ پرہیزگاری کے نہیں ہیں۔ اسلامی حکومت کی اطاعت سے ہی تقویٰ میں اضافہ ہوتا ہے لیکن ہمارے علماء کرام تقویٰ سے مراد پرہیزگاری لیتے ہیں جس سے مراد ایک خاص قسم کا لباس' تراش وخراش' نشست و برخاست اور ایک منفرد معاشرت لیتے ہیں۔ جس میں اسلامی نظام کے تصور کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

(5) اسلامی حکومت کے قیام میں جو چیز سب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ تصوف ہے۔ تصوف کی بنیاد انفرادی نجات پر ہوتی ہے' صدر اول کے لٹریچر میں تصوف کا کوئی سراغ نہیں ملتا کیونکہ اسلام بطور ضابطہ کے رائج تھا۔ قرآن وحدیث میں بھی تصوف اور صوفی کے الفاظ تک نہیں آئے ہیں۔ کم سے کم دوسو سال کے بعد تصوف کی ابتداء ہمارے ہاں ہوتی ہے۔ تصوف میں اجتماعیت کا کوئی تصور دور دور تک نہیں ملتا۔ یہ باطنی علم ہوتا ہے اور اس کے اپنے ہی سلاسل ہیں۔ یہ حضرات اللہ تعالیٰ سے براہِ راست علم حاصل کرتے ہیں۔ رسول اللہ کا واسطہ بھی ضروری نہیں سمجھتے۔ ایک مشہور شعر ان کے اس مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ (نعوذ باللہ)۔

پنجہ در پنجۂ خدادادم
من چہ پروائے مصطفیٰ دارم
(میرا ہاتھ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ میں
مصطفیٰ (علیہ السلام) کی کیا پروا کرتا
ہوں)

تصوف کے تمام سلاسل حضرت علیؓ پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں۔ صرف ایک سلسلۂ نقشبندیہ حضرت علیؓ کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ ان کا سلسلہ حضرت ابوبکرؓ پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ یہ حضرات چونکہ حضرت علیؓ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے' اس لئے ان کے لئے مشہور ہے کہ

نقشبندی اگر ولی باشد
دشمنِ مرتضیٰ علی باشد
(نقشبندی اگر ولی بھی ہو جائے' تو
حضرت علیؓ کا دشمن ہی رہے گا)

یہ موجودہ مضمون چونکہ تصوف سے متعلق نہیں ہے' اس لئے اس کے خلافِ قرآن ہونے کا مفصل تذکرہ نہیں کیا جاتا۔ لیکن چونکہ اس کا مزاج ہی منفی Negative ہے اور دنیا سے بیزاری کی تعلیم دیتا ہے' اس لئے اس نے مسلمانوں کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کا کسی طرح بھی مداوا یا تدارک نہیں ہو سکتا۔ شاعری اس کو فروغ دینے کا بہترین سبب بنی۔ مولانا روم کی مثنوی شریف کو ہم مسلمانوں میں جو قبول عام ہے وہ کسی اور کتاب کے نصیب میں نہیں آیا۔ ہمارے ہاں سب بڑے بڑے علماء کرام خواہ وہ کسی فرقہ سے بھی متعلق ہوں' سب تصوف کے زیر اثر رہے ہیں۔ عموماً اہلِ حدیث اور شیعہ حضرات کو تصوف کا منکر سمجھا جاتا ہے۔ شیعہ فرقہ میں بے شک تصوف نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے آئمہ اہل بیت کے علاوہ کسی اور کوئی اہمیت وفضیلت دینے کو تیار ہی نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا خیال ہے کہ تصوف کو فروغ ہی اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ تصوف آئمہ کرام سے توجہ ہٹا کر بڑے بڑے اولیاء کرام کی طرف توجہ مبذول کرا دیتا ہے۔ لیکن اہلِ حدیث کا دعویٰ کہ ان کے ہاں تصوف نہیں ہے درست نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی سب کے مرجع و ماویٰ

ہیں۔انہوں نے تصوف کوخوب فروغ دیا ہے۔ان کی مشہور کتاب ''انفاس العارفین'' عجیب حالات بیان کرتی ہے۔ ہمارے برصغیر پاک و ہند میں تو اسلام کی تبلیغ ہی صوفیاء کرام نے کی ہے۔ یہاں بہت بڑے بڑے اولیاء اللہ پیدا ہوئے ہیں جن کا اپنے اپنے دور میں' اپنے ہم عصر بادشاہوں پر بڑا اثر رہا ہے۔لیکن یہ سب حضرات اپنی اپنی ذاتی نجات کی فکر میں رہے۔کسی ایک کو بھی اسلامی نظام کے قیام کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔اگر وہ ایک مرتبہ اسلامی نظام قائم کرا دیتے' تو یہاں کے تمام لوگ اس نظام کے نتائج وثمرات دیکھ کر خود مسلمان ہو جاتے۔اس طرح انفرادی تبلیغ کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ ہمارے اس موجودہ دور میں بھی مذہب پرست طبقہ سب تصوف کا قائل ہے۔اولیاء اللہ کی بڑی عزت کرتا ہے۔ مزارات پر حاضری دیتا ہے اور بلا استثنیٰ سب علماء کرام تصوف کے قائل ہیں اور تصوف اجتماعیت اور اسلامی حکومت کا سخت دشمن ہے۔ پھر آپ خود غور فرمائیں کہ تصوف کی موجودگی میں ہمارے علماء کرام اسلامی حکومت کے کس طرح قائل ہو سکتے ہیں اور ہمارے یہ علماء کرام کس مغالطہ میں مبتلا ہیں۔

(6) انفرادی نجات کے تصور کے متعلق جو کچھ تحریر کیا گیا ہے۔ وہ سب علامات' Symptoms ہیں۔ وہ اصل مرض جس کی یہ علامات Symptoms ہیں' وہ روحانیت کا عقیدہ ہے۔ روحانیت کا عقیدہ ہمارے علماء کرام کا بنیادی عقیدہ ہے اور دیگر سارے عقائد اسی محور کے گرد گردش کرتے ہیں۔قرآنِ کریم میں روحانیت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔حضورﷺ کی انتہائی تعریف قرآنِ کریم نے وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (68:4)-(اور بے شک تمہارے اخلاق نہایت اعلیٰ درجے کے ہیں) کہہ کر کی ہے۔

نزولِ قرآن کے وقت روح کے یہ معنے ہی نہیں تھے جو ہمارے مفسرین نے کئے ہیں۔ یونانی فلسفہ کے زیر اثر ہمارے ہاں روح کے معنے Soul' اور Spirit کے کئے گئے ہیں۔قرآنِ کریم میں روح کا لفظ بیس (20) مقامات پر آیا ہے اور اس کے معنی وحی' یا وحی پانیوالا' یا وحی لانے والا ہوتے ہیں۔لیکن ہمارے علماء کرام کے نزدیک روح رحمِ مادر میں' استقرارِ حمل کے بعد' جنین کے مردہ جسم میں ڈالی جاتی ہے' تو اس مردہ جنین میں زندگی آ جاتی ہے اور جب انسان فوت ہوتا ہے' تو یہ روح جسمِ انسانی سے نکل کر عالمِ برزخ میں چلی جاتی ہے۔علماء کرام کے نظریہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اول آفرینش میں ہی بہت ساری روحیں بنا کر اپنے پاس رکھ چھوڑی ہیں اور وہ انسان کو پیدا کرتے وقت ایک روح اس کے جسم کے اندر داخل کر دیتا ہے اور مرتے وقت وہ روح اس کے جسم سے نکال دیتا ہے۔قیامت کے دن یہ روحیں پھر انسانوں کے جسموں میں داخل کر دی جائیں گی لیکن قرآنِ کریم کی رو سے علماء کرام کا یہ نظریہ

درست نہیں تھا۔

اول تو یہ نظریہ ہی غلط ہے کہ انسانی جنین مردہ ہوتا ہے اور حمل کے چوتھے ماہ روح اس میں داخل کی جاتی ہے' زندہ جسم کی ہر چیز زندہ ہوتی ہے' نر اور مادہ سے خارج ہونے والا مادۂ تولید بھی زندہ ہوتا ہے۔ مردہ نہیں ہوتا کہ اس کو روح کی ضرورت ہو۔ جب یہ مادہ رحم میں استقرار پکڑتا ہے اور جتنی ارتقائی منازل طے کرتا ہے اور جو جو شکلیں بدلتا ہے' قرآنِ کریم نے اس کو بالتفصیل بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّن طِينٍo ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَاماً فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْماً ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقاً آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ o (23:12,13,14)-

(ترجمہ)۔ اور ہم نے آدمی کو گیلی مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ جگہ (عورت کے رحم) میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنایا۔ پھر ہم نے منجمد خون کو گوشت کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم نے لوتھڑے کی ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر ہم نے ہی اس کو ایک دوسری صورت میں پیدا کیا۔ تو خدا بابرکت ہے جو سب بنانے والوں سے بہتر ہے۔

قرآنِ کریم نے یہ چھ (6) ارتقائی منازل بیان فرمائی ہیں۔ کیا یہ چھ ارتقائی منازل کوئی بے جان چیز طے کرسکتی ہے' پھر آپ یہ بھی تو غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی جنین کے متعدد مراحل کا ذکر تو فرما دیا ہے' لیکن اِدخالِ روح کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے۔ جبکہ 11:6, 71:8, 53:32 اور 20:55 میں قرآنِ کریم نے انسانی تخلیق کی اس قدر وضاحت فرما دی ہے کہ روح کے مروجہ تصور کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ آپ حضرات خود قرآنِ کریم کے نسخوں سے ان آیات کو ملاحظہ فرمالیں۔

روح کے غلط عقیدہ کی تردید سے روحانیت' عبادت' رسوم و مناسک' مزارات کی زیارات' گوشہ نشینی' زاویہ گیری' تسبیح وتہلیل' دعا ومناجات' تزکیہ وتصفیہ' کی سب عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے' اور خالص قرآنی تصور باقی رہ جاتا ہے کہ دنیا کا ہر کام' ہر تنازعہ' ہر معاملہ' جس کا فیصلہ وحی کی رو سے کر دیا جائے وہ روحانی (دینی) ہو جاتا ہے' اور یہ فیصلہ صرف اسلامی حکومت ہی کرسکتی ہے۔ جب تک علماء کرام کا روحانیت کا فرضی و مزعومہ تصور باقی رہے گا' اسلامی حکومت کی ضرورت بھی باقی نہیں رہے گی۔

(7) قرآنِ کریم نے دین کے قیام پر بڑا زور دیا ہے۔ مِصباحُ اللغاۃ میں دَانَ یدین دیناً کے معنے حکم دینا'

فرمانبرداری کرانا' تحریر کئے ہیں۔قرآنِ کریم نے اس لفظ کو قانون' حکومت' آئینِ مملکت کے معنے میں استعمال فرمایا ہے۔سورۂ یوسف میں دینِ الملک کے معنی بادشاہ کا قانون آیا ہے قرآن کریم نے اس کو بطور فعل بھی استعمال کر کے' حکومت یا قانون کے معنی ہونے کی مہر تصدیق ثبت کر دی جبکہ ارشاد ہوتا ہے:

وَلاَ يَدِيْنُونَ دِيْنَ الْحَقِّ (9:29)-

وہ نظام خداوندی اختیار نہیں کرتے۔

اس آیت میں ضابطہ حیات اور نظام کے علاوہ اور کوئی معنی ہو ہی نہیں سکتے اور اسی معنی میں حکم عالی دیا جاتا ہے کہ:

أَنْ أَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا (42:13)-

دین قائم کرو اور اس میں فرقہ نہ بناؤ۔

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ اسلامی حکومت کے قیام پر کس قدر زور دیا جا رہا ہے اور اسلامی حکومت کی پہلی شرط یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں فرقہ بندی نہیں ہونی چاہئے۔اسلامی حکومت میں تمام رعایا پر ایک ہی قانون نافذ ہوگا۔یہ نہیں ہوگا کہ کسی صوبہ میں ٹیکس (Tax) کی کوئی شرح ہو اور کسی دوسرے صوبہ میں کوئی اور۔کسی گروہ کو چوری کی ایک سزا دی جائے اور دوسرے لوگوں کو کوئی اور سزا دی جائے۔ اسلامی حکومت کے تمام Citizen ایک ہی حکم کے پابند ہوں گے۔حکومت خود مقرر کرے گی کہ عید کس دن منانی ہے اور روزہ کس وقت افطار کرنا ہے' اسلامی حکومت میں کوئی الگ شرعی ہائی کورٹ نہیں ہوگی' تمام عدالتیں شرعی ہوں گی' کوئی اسلامی نظریاتی کونسل نہیں ہوگی' کہ قرآنی حکومت خود اسلامی نظریات طے کرے گی' نہ اس میں پبلک اور پرائیویٹ لاء کی تقسیم ہوگی۔اسلامی حکومت کے تمام قوانین سب پر جاری ہوں گے۔لیکن ہمارے علمائے کرام دین کے قیام سے اسلامی حکومت نہیں لیتے۔حضرت شیخ الہندؒ نے لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (109:6)- کا ترجمہ ''تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ'' کیا ہے۔اسی طرح مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن (1:4)- کا ترجمہ ''مالک روز جزا کا'' کیا ہے' اسی طرح أَنْ أَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيْهِ (42:13)- کا ترجمہ تحریر فرمایا ہے ''قائم رکھ دین کو اور اختلاف نہ ڈالو''۔ ''قائم رکھ دین کو'' کا مفہوم یہ ہے کہ گویا انگریزی حکومت کے دوران' دین تو قائم ہی تھا' بس اس کو قائم رکھو یہ منتشر یا منقرض نہ ہو جائے اور فرقے نہ بناؤ کو' اختلاف نہ کرو ترجمہ کر دیا ہے۔قرآنِ کریم کے بعض تراجم میں اور ''آپس میں پھوٹ نہ ڈالو'' بھی تحریر کیا گیا ہے۔اصل یہ ہے کہ فرقہ بندی دین کے قیام کی جڑ کاٹ دیتی ہے اور دین کا قیام فرقہ بندی کی جڑ کاٹ دیتا ہے کیونکہ فرقہ بندی دین میں ہو ہی نہیں سکتی' فرقہ تو صرف مذہب میں ہوتا ہے۔فرقہ بندی کی بنیاد ہی چونکہ علماء کرام رکھتے ہیں اور اسی کے سہارے ان کا وجود قائم رہتا ہے' اس لئے وہ ان آیت کا درست ترجمہ نہیں کرتے اور نہ ہی دین کو قائم کرنے کی اجازت دے سکتے

ہیں۔ وہ عمداً مختلف فیہ اور متنازعہ فیہ امور و عقائد کو ابھار ابھار کر پیش کرتے ہیں' تاکہ فرقہ بندی کی گرہیں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جائیں۔

(8) ہمارے علماء کرام اگر کبھی اسلامی قوانین کے اجراء پر اصرار کرتے ہیں تو ہمیشہ شریعت کے نافذ کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ آپ نے کبھی غور فرمایا کہ آج کل چاروں طرف سے شریعت کے نفاذ کا مطالبہ ہو رہا ہے۔ کسی ایک جگہ سے بھی اسلامی نظام یا اسلامی حکومت کے قیام کا نعرہ بلند نہیں ہوتا۔ اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء کرام اسلامی حکومت کے قائل ہی نہیں ہیں۔ شریعت محمدی ایک Catch-Word ہے۔ جس سے ہماری پیشوائیت عام مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اس شریعتِ محمدی کا بیشتر حصہ تو خود قرآن کے خلاف ہے۔ یہ شریعت محمدی بنو عباس کے تاریک ترین دور میں مدون ہوئی تھی۔ اس کا اصل مقصد ملوکیت' پیشوائیت اور سرمایہ داری کو معاشرہ پر بالجبر مسلط کرنا تھا۔ اب تک یہ شریعت عربی کتابوں میں مخفی تھی۔ ہمارے عوام اور لبرلز کو اس کا علم ہی نہیں تھا کہ شریعت ہے کیا چیز؟ اب جبکہ اس کے نفاذ کا مطالبہ کیا جا رہا ہے تو شریعتِ محمدی کی ایک جھلک نظر آئی ہے۔ شریعت کے نفاذ پر اصرار کرنا' خود اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے علماء کرام ''مذہب'' کو نہیں چھوڑنا چاہتے' اور اسلامی حکومت کے قیام کی مخالفت جاری رکھیں گے۔ شریعت تو اسلامی حکومت کے قوانین ہوتے ہیں۔ ہر اسلامی حکومت کے قوانین اس کی شریعت ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اس مضمون میں تحریر کیا جا چکا ہے کہ وہ اولی الامر (واولی الامر منکم) جو تم میں سے ہوں' ان کے فیصلے کی اطاعت' اسلامی حکومت کی اطاعت ہے' اس میں ''منکم''۔ ''تم میں سے'' کی شرط عاید کی گئی ہے کہ شریعت ہر حکومت کے اپنے اولی الامر کے فیصلوں سے تشکیل پاتی ہے۔ سابقہ دور کی حکومتوں کے قوانین ہماری شریعت نہیں ہو سکتے' اور نہ ہی ان کے نفاذ سے اللہ و رسول کی اطاعت ہوتی ہے۔

(9) حضورﷺ کے دورِ مبارک میں دس لاکھ مربع میل پر اسلامی حکومت قائم تھی۔ ظاہر ہے کہ اس وسیع و عریض مملکت کا انتظام حضورﷺ ہی چلا رہے تھے۔ حکومت کا یہ انتظام حضورﷺ اپنی ذہانت و فراست سے کرتے تھے اور سب شہری اس انتظام کی اطاعت کرتے تھے۔ آپﷺ کی یہ انتظامی اطاعت آپ کی زندگی تک محدود تھی۔ لیکن ہمارے علماء کرام نے حضورﷺ کی اس عقلی اور انتظامی اطاعت کو' جو صرف حضورﷺ کی اپنی زندگی تک محدود تھی۔ وحی قرار دے کر' اس کو دائمی قرار دے دیا۔ ہمارے علماء کرام کے نزدیک حضورﷺ کی عقلی و انتظامی اطاعت نہ فرض تھی نہ واجب' لہٰذا یہ اطاعت جو آگے' حضورﷺ کے جانشینوں کی طرف منتقل ہونی تھی' اس کو جڑ سے ہی کاٹ کے پھینک دیا اور اس طرح اسلامی حکومت کی ضرورت سے پیچھا

چھڑا لیا۔ وہ تمام آیات جن میں یہ اطاعت آپ کے جانشینوں کی طرف منتقل ہونی چاہئے تھی' علماء کرام نے اس کو حضورﷺ کی زندگی تک محدود کر دیا۔ وہ آیات جن میں حضورﷺ کی یہ انتظامی اطاعت خلفاء کی طرف منتقل ہونی تھی' ان کی اس طرح تفسیر کی گئی جس سے اسلامی حکومت کا تصور ختم ہو جائے۔ آپ چند آیات کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

1- وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا (59:7)-

رسول تم کو جو کچھ دے اس کو لے لو اور جس کے لینے سے وہ روکے' اس سے رک جاؤ۔

اس آیہ کریمہ میں مال فے کے متعلق حکم ہو رہا ہے۔ مال فے صرف حضورﷺ کے دور سے مخصوص نہیں تھا۔ اس دور میں بھی یہ حاصل ہوسکتا ہے۔ اگر یہ کسی خلیفہ یا جانشین کو ملے' تو اس آیت میں رسول سے مراد اس خلیفہ کی ذات ہوگی۔ لیکن ہمارے علماء کرام اس آیت کے حکم کو صرف حضورﷺ کی ذات تک مخصوص کر دیتے ہیں اور اس کو خلیفہ کی طرف منتقل نہیں کرتے۔

2- (اے رسول) جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اگر وہ تیرے پاس آتے' پھر اللہ سے بخشش مانگتے' اور رسول بھی ان کے لئے بخشش مانگتا' تو اللہ کو تواب ورحیم پاتے۔(4:64)-

منافقین حضورﷺ کے بجائے طاغوتی عدالتوں سے فیصلے کراتے تھے لیکن جب انہیں نقصان ہوتا تھا' تو حضورﷺ کے پاس آ کر اپنی صفائی بیان کرتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کے لئے حضورﷺ کے پاس آنا مناسب تھا لیکن اس موجودہ دور میں ظاہر ہے کہ حضورﷺ کے پاس جانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس قسم کی تمام آیت میں حضورﷺ کے بعد رسول سے مراد آپ کے خلفاء ہی ہوں گے اور اس طرح اسلامی حکومت کی ضرورت باقی رہے گی۔

3- ارشاد ہوتا ہے: ''اور جب ان کے پاس کوئی بات امن یا خوف کی آتی ہے تو اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس خبر کو رسول اور اولی الامر کے آگے پیش کرتے تو ان میں سے جو لوگ استنباط کرتے ہیں اسے مان لیتے۔''(4:83)-

ظاہر ہے کہ اب افواہوں کو رسول اللہﷺ کے سامنے پیش کرنا ممکن نہیں ہے' اور نہ ہی حضورﷺ ہماری سنی ہوئی افواہوں سے اس وقت استنباط فرما سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں رسول سے مراد' ہر دور کے جانشین ہی ہوسکتے ہیں۔

اس قسم کی بے شمار آیات پیش کی جا سکتی ہیں جہاں رسول سے مراد حضورﷺ کے بعد' رسول کا جانشین ہے' اور جس سے اسلامی حکومت کا قیام لازمی وضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمارے علماء کرام ان تمام آیات میں' حضورﷺ کے بعد بھی' حضورﷺ کی ذات گرامی کو ہی قرار

دے کر' اسلامی حکومت کے قیام کا راستہ بالکل بند کر دیتے ہیں۔

حضراتِ علماء کرام جو اسلامی حکومت کے داعی ہیں' ان کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ اللہ ورسول کی اطاعت کو دو اطاعتیں قرار دے کر' قرآن وحدیث کے ذریعے' اللہ و رسول کی اطاعت ادا کر دیتے ہیں۔ اسلامی نظام کے منقرض ہونے کے بعد سے آج تک' تمام دنیا کے مسلمان اسی عقیدے کے حامل ہیں اور اس طرح اللہ ورسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس خلافِ قرآن عقیدے نے اسلامی حکومت کے قیام کی ضرورت کو ختم کر دیا ہے۔ قرآنِ کریم کی رو سے اللہ ورسول کی اطاعت صرف ایک اطاعت ہے' قرآن کریم نے ہر جگہ اس کے لئے تثنیہ کے بجائے واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے اور یہ اطاعت اسلامی نظام کے سربراہ کی اطاعت سے ہوتی ہے۔ اس کے لئے ایک زندہ اتھارٹی کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ یہی اتھارٹی خلیفہ راشد کی ذات ہوتی ہے۔ یہی اسلامی حکومت ہوتی ہے۔ اسی اسلامی حکومت کے احکامات معروف ہوتے ہیں۔ اور جس چیز سے اسلامی حکومت منع کرتی ہے وہ منکر ہوتے ہیں' اس حکومت کے ایک ایک حکم کی اطاعت عبادت خداوندی ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر آج کل ایک Ad' اخبارات اور T.V چینل پر آتا ہے جس میں مشہور انسان دوست عبدالستار ایدھی صاحب بجلی بچانے کی اپیل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''بجلی بچاؤ' یہ کام ایک پارسائی کا ہے'' Ad میں Piety کا لفظ تحریر ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے کہنے پر بجلی کا بچانا ایک عبادت خداوندی ہے' اسی طرح جس طرح آج ہم نماز کو عبادت خداوندی کہتے ہیں۔ چونکہ اسلامی حکومت کی اطاعت عبادت الٰہی ہوتی ہے' اس لئے قومی فرض اور ذاتی مفاد ایک ہو جاتے ہیں۔ ہمارے علماء کرام عبادت کے تصور کو جب تک نہیں بدلیں گے' اسلامی حکومت کے قیام میں رکاوٹ بنے رہیں گے۔ اگر عبادت سے مراد پرستش کی بجائے اسلامی حکومت کی اطاعت کو عبادت قرار دے لیں' تو پھر بے شک ان کے نزدیک بھی اسلامی حکومت کا قیام ضروری ہو جائے گا' اور پھر وہ اس کے لئے جدوجہد بھی کریں گے ورنہ

اگر بایں نرسیدی تمام بولہبی است

آخر میں تمام فرقوں کے علماء کرام سے نہایت دلسوزی سے درخواست ہے کہ وہ اپنے اپنے فرقوں سے بلند ہو کر' اپنے خلافِ قرآن عقائد پر نظرثانی فرمائیں۔ اور اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد میں تحریک طلوع اسلام کا ساتھ دیں کہ صدرِ اول کے بعد سے آج تک' یہ پہلی تحریک اٹھی ہے' جس کے نظریات خالص قرآنی ہیں اور جو اسلامی حکومت کی داعی ہے۔

خوب یاد رکھیں کہ قرآنِ کریم کا نظام ہی مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل ہے اور یہی ساری انسانیت

کا مشکل کشا اور حلّال المشکلات ہے اور اس دور میں جتنی اس کی ضرورت ہے' اس سے بیشتر کبھی اتنی ضرورت نہیں ہوتی تھی' اور یہ دور اس کے قیام میں جس درجہ سازگار ہے' اس سے بیشتر کبھی اتنا سازگار نہیں ہوا تھا۔ ضرورت صرف علماء کرام کے نظریات درست کرنے کی ہے۔

مرادِ ما نصیحت بود کردیم
حوالت باخدا کردیم و رفتیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام باری، مانچسٹر

حکومت کا حق صرف اللہ کو ہے

خارجی کائنات کا پورا نظم ونسق اللہ کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق چل رہا ہے۔ اس اعتبار سے، خارجی کائنات، اللہ کی مملکت ہے۔ اس میں اسی کا اقتدار واختیار (ملک) کارفرما ہے۔ اشیائے کائنات کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کے قوانین کی خلاف ورزی کر سکیں وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُون (16:50)۔ لیکن انسان کو اس کا اختیار ہے کہ وہ اپنی زندگی اللہ کے قوانین کے مطابق بسر کرنا چاہتا ہے یا ان کے خلاف فَمَن شَاء فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاء فَلْيَكْفُرْ (18:29)۔ لہٰذا انسانی دنیا میں اللہ کی حکومت، انسانوں کے ہاتھوں قائم ہوتی ہے۔ جس جماعت کے ہاتھوں یہ حکومت قائم ہوتی ہے اسے امتِ مسلمہ یا جماعتِ مومنین کہا جاتا ہے۔ یہ حکومت سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ اور حضور ﷺ کے رفقاءؓ کے ہاتھوں متشکل ہوئی تھی۔ عام اصطلاح میں اسے خلافت کہتے ہیں۔ قرآن نے بھی اسے استخلاف فی الارض کہہ کر پکارا ہے۔ اس حکومت کی فیصلہ کن (Final Authority) کو خلیفہ کہا جاتا ہے۔ اس لفظ کے معنی دراصل جانشین کے ہوتے ہیں، یعنی کسی کے بعد اس کی جگہ لینے والا۔ (ہمیشہ رہنے والے اللہ کا کوئی خلیفہ نہیں ہوسکتا)۔

قرآن کریم نے کفر اور اسلام کا فیصلہ یہ کہہ کر کر دیا کہ: وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُون (5:44)۔ جو لوگ مَا أَنزَلَ اللّهُ (قرآن کریم) کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے (فیصلے نہیں کرتے) انہی کو کافر کہا جاتا ہے۔ کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں کو اپنا محکوم بنائے۔ محکومیت صرف اللہ کی ہے جس کا عملی ذریعہ اس کی کتاب کے مطابق حکومت قائم کرنا ہے (3:79)۔ سورۃ انعام میں ہے کہ: وَلاَ تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (28:87)۔ اور دیکھنا تم کہیں مشرک نہ ہو جانا۔ یعنی وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهاً آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (28:88)۔ اللہ کے سوا دوسروں کو بھی اِلٰہ (صاحبِ اقتدار Sovereign) تسلیم نہ کر لینا۔ یاد رکھو! صاحبِ اقتدار صرف اللہ کی ذات ہے۔ اس لئے

کہ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (28:88)-اس کے سوا کائنات کی ہر شئے تغیر پذیر ہے۔سورۃ رحمٰن میں یہی بات مختلف انداز اور الفاظ میں کہی گئی ہے کہ: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍo وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ o (55:26-27)-(پانی کا قطرہ زمین پر گر کر یا بھاپ بن کر فنا نہیں مگر تبدیل ہو جاتا ہے)۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کو اِلٰہ ماننے اور اس کے سوا کسی اور کو اِلٰہ تسلیم نہ کرنے کا عملی مفہوم کیا ہے؟ فرمایا کہ اس کا عملی مفہوم یہ ہے کہ لَهُ الْحُكْمُ (6:62)-یعنی حکومت صرف اسی کو حاصل ہے۔اگر انسانوں کی حکومت کو تسلیم کر لیا جائے' تو یہ شرک ہے اور اس سے انسان کا قلب' خوف کا نشیمن بن جاتا ہے۔وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (28:78)-زندگی کے تمام معاملات کے تصفیہ کے لئے اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔یعنی اس کا حل اس کی کتاب کی رو سے تلاش اور اختیار کرنا چاہئے۔کیونکہ غیر متغیر اسی کے احکام وقوانین ہیں۔امن واطمینان انہی کو حاصل ہوسکتا ہے جو ان غیر متغیر قوانین کی اطاعت کریں' نہ کہ انسانوں کی محکومیت اختیار کرنے والوں کو جنہیں معلوم ہی نہیں ہوسکتا کہ ان کا حاکم اس وقت کیا کر رہا ہے اور کل کو کیا کہہ دے گا۔انسانوں کی حکمرانی میں کوئی آئین اور قوانین غیر متبدل نہیں ہوتے' نہ ہوسکتے ہیں۔اس لئے ان کے تابع رہنے والے انسانوں کو کبھی امن واطمینان نصیب نہیں ہوسکتا۔امن نصیب ہوتا ہے ان لوگوں کو جن کے متعلق قرآن میں ہے کہ: الَّذِينَ آمَنُواْ وَلَمْ يَلْبِسُواْ إِيْمَانَهُم بِظُلْمٍ أُوْلَـئِكَ لَهُمُ الأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ (6:83)-ان حقائق کی روشنی میں' اس میں شک کی گنجائش کہاں ہے کہ امن واطمینان انہی کے لئے ہے جو اللہ کے قوانین کی صداقت پر یقین رکھیں اور عملاً اس کی خلاف ورزی نہ کریں۔ہر شے کو اس کے صحیح مقام پر رکھیں' اور اللہ کے حکم کے مطابق شرک سے مجتنب رہیں وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَداً (18:110)-(کیونکہ امن اور بے خوفی کے لئے ایمان اور اعمالِ صالح بنیادی شرط ہے (2:62)- یہی وہ لوگ ہیں جو سیدھی راہ پر گامزن ہوں گے۔اس آیت میں کہا گیا ہے کہ امن اور ہدایت ان لوگوں کے حصے میں آتے ہیں جو اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ ملوث نہ ہونے دیں۔قرآن کریم میں شرک کو ظلم' بلکہ ظلمِ عظیم کہا گیا ہے۔إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (31:13)- ظلم کے معنی ہوتے ہیں جس شے کو جس مقام پر ہونا چاہئے اسے وہاں پر نہ رکھنا۔شرک میں مظاہرِ فطرت یا انسانوں کو ان کے مقامِ عبدیت سے اوپر لے جا کر الوہیت کا درجہ دیا جاتا ہے' اور اللہ کو اس کے بلند و بالا مقامِ احدیت سے نیچے اتار کر مخلوق کے ہمدوش کر دیا جاتا ہے۔یہ ظلم ہے' بلکہ ظلمِ عظیم۔اللہ کے قول کے مطابق بات یوں ہوئی کہ کتاب اللہ کے بجائے انسانوں کے مرتب کردہ احکام وقوانین کا اتباع (خواہ وہ کسی نام سے موسوم ہوں)

ظلمِ عظیم قرار پائے گا۔غور کیجئے! کہ ہم نے کس طرح اپنے ایمان کے ساتھ اس ظلم کو ملوث کر رکھا ہے؟ قرآن کریم نے ہمارے ہی متعلق کہا ہے: وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّهِ إِلاَّ وَهُم مُّشْرِكُون (12:106)-ان میں اکثر لوگ ایسے ہیں کہ وہ دعوائے ایمان کے باوجود مشرک کے مشرک ہی رہتے ہیں۔ یہ وجہ ہے جو ہمیں نہ امن نصیب ہوتا ہے' نہ زندگی کی خوشگواریوں کے راستے ہمارے سامنے آتے ہیں۔

قرآن کریم میں زندگی کی خوشگواریوں میں اقوامِ عالم پر فضیلت حاصل کرنے والے سابقہ تمام انبیاء کرامؑ کے تذکرہ کے بعد اللہ کا ارشاد ہے کہ: أُوْلَـئِكَ الَّذِيْنَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (6:89)- یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب (ضابطۂ قوانین) حکومت (لوگوں میں اپنی کتاب کے مطابق فیصلے کرنے کے اختیارات) اور نبوت یعنی وحی پانے کا امتیاز (خصوصی) عطا کیا تھا۔ اس آیت میں انبیاءؑ اور ان کے متبعین سب شامل ہیں۔ ان میں سے نبوت صرف انبیاء کرامؑ کو عطا ہوئی تھی' اور نبوت سے مراد وحی کے ذریعے ملنے والی کتاب تھی جو ہر نبی کو ملی تھی۔اس کتاب کو انبیاءؑ اپنی ذات تک محدود نہیں رکھتے تھے۔اسے دوسروں تک بھی پہنچاتے تھے' اور جو لوگ اس کی صداقت پر ایمان لے آتے تھے' وہ اس کی امت میں شامل ہو جاتے تھے۔ اس اعتبار سے کتاب میں انبیاءؑ اور غیر انبیاءؑ دونوں شامل ہوتے تھے۔۔۔ انبیاءؑ بلا واسطہ اور اس کی امت بالواسطہ۔ اس مفہوم کے اعتبار سے دوسری جگہ کہا گیا ہے: وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (45:16) - اور امتِ مسلمہ کو وارثِ کتاب قرار دیا (35:32) تا کہ یہ قوم اس کتاب کے مطابق اس دنیا میں اللہ کی حکومت قائم کر کے زندگی کی خوشگواریوں کے ساتھ سرفرازیاں بلندیاں یعنی عروج حاصل کر کے شرف و مجد اور عزت کی جنتی زندگی بسر کرے نہ کہ محض ایصالِ ثواب کے لئے' سمجھے بغیر اسے پڑھنے سے زمین کی پستیوں کے ساتھ چپک کر گداگروں کی طرح کشکول ہاتھ میں لئے دیس بدیس ٹھوکریں کھاتی' ہڈیاں تڑواتی پھرے اور ذلت اور رسوائی کے عذاب والی جہنمی زندگی گزارے۔

کتاب اللہ' ضابطۂ قوانین کو کہتے ہیں' اور قوانین بے مقصد ہوتے ہیں جب تک ان کے ساتھ قوتِ نافذہ نہ ہو۔ جسے حکومت کہا جاتا ہے۔ اس لئے انبیاءؑ اور ان کی امت کو کتاب کے ساتھ حکومت بھی عطا ہوئی تھی۔ سو بات یوں ہوئی کہ (1) نبوت نہ ہو تو خدا کی کتاب نہیں مل سکتی۔ (2) کتاب نہ ہو تو ہدایت نہیں مل سکتی (3) کتاب کے ساتھ (کتاب کے مطابق) حکومت نہ ہو تو کتاب کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ وہ محض وعظ بن کر رہ جاتی ہے۔ (4) کتاب' بلا حکومت ہو تو وہ مذہب ہوتا ہے' اور کتاب کے

ساتھ حکومت ہو تو دین متمکن ہوتا ہے' دین کا تمکن ہی منشائے خداوندی ہے اور بس (24:55)- نماز' روزہ' عمرہ اور حج دین کے قیام واستحکام اور بقا کے ذرائع تھے۔ ہم نے ان کے مقاصد کو پس پشت ڈال کر' ان Pillers of Islam کو بطور یادگار مقصود بالذات پرستش و گناہوں کا کفارہ سمجھ رکھا ہے کسی محراب ومنبر سے ان ستونوں پر دین کی چھت ڈالنے کی بات تک نہیں کی جا سکتی جس سے قوم کو ہر قسم کے خطرات سے حفاظت نصیب ہو۔ ہمارے ہاں عبادت کے معنی اور ترجمہ پرستش ہی کئے جاتے ہیں۔ جس کی رو سے قرآن کی تعلیم کا مفہوم بدلا گیا۔ حالانکہ قرآن کریم میں جہاں عبادت کا لفظ اللہ کے لئے آیا ہے وہاں اس سے مطلب ہے اللہ کی محکومیت اور اطاعت۔ لیکن جہاں یہ لفظ بتوں کے لئے آیا ہے وہاں اس کے معنی پرستش ہی ہیں۔ کیونکہ بت پرست اپنے بتوں کی پوجا کے لئے یہی لفظ استعمال کرتے تھے۔ چند آیات سامنے لائیے جن میں اللہ کی عبادت کے مروجہ معنی پرستش (worship) کرنے کے بنتے ہی نہیں۔ حقیقت اپنے آپ کو منوا لیتی ہے' اسی لئے عبداللہ یوسف علی اور پکتال نے آیت (40:60) کے انگلش تراجم میں لفظ عبادت کا ترجمہ worship کرنے کی بجائے (Service) کر رکھے ہیں۔ اور آیت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (51:56)- کے ترجمہ میں عبداللہ یوسف علی نے اس کے لئے (serve) کا لفظ استعمال کیا ہے اور آیت فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ (23:47) میں عابدون کا ترجمہ پرستار (worshipers) کرنے کی بجائے (subject to us) محکوم قوم (servile to us) کئے ہیں۔

جس طرح عقل وفکر سے کام نہ لینے والے جہنمی ہوتے ہیں (7:179) اسی طرح اللہ کی عبدیت سے سرکشی اختیار کرنے والے جہنمی ہیں۔ سورۃ المومن میں ہے کہ اللہ کے انقلاب آفرین نظامِ حکومت کے لئے پروگرام یہ ہے کہ: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (40:60)- تم زندگی کے ہر دوراہے پر اپنی راہنمائی کے لئے اللہ کے قانون کو آواز دو۔ وہ قانون تمہاری ہر پکار کا جواب دے گا اور تمہاری راہنمائی کرے گا۔ (اللہ کے قانون کو آواز دینے سے مطلب یہ ہے کہ تم معلوم کرو کہ پیش نظر معاملہ میں قرآن کے اندر اللہ کا قانون کیا ہے پھر اس قانون کی اطاعت کرو۔ یاد رکھو) جو لوگ اللہ کے قوانین کی محکومیت واطاعت سے سرکشی برتتے ہیں وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم کے تباہ کن عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اللہ کے قوانین سے اعراض کا نتیجہ دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں غلط نظام کی حامل اقوامِ سابقہ کی اس دنیا میں تباہی اور پھر

آخرت کے عذاب کا تذکرہ ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں جنتِ ارضی اور اُخروی جنت کا ذکر ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں ہے: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ (55:46)- جن لوگوں کو اس کا احساس ہے کہ ہمارے ہر عمل کے متعلق ہم سے باز پرس ہو گی۔۔۔ انسان کا کوئی عمل بلا نتیجہ نہیں رہے گا۔۔۔ اور یوں وہ خطرناک گھاٹیوں سے بچتے ہوئے زندگی بسر کریں گے' ان کے لئے دو جنتیں ہوں گی۔۔ ایک جنت اس دنیا میں اور دوسری جنت آخرت میں۔

یہاں عیسائیوں میں Jehovah's Witnesses لاکھوں افراد کا ایک فرقہ اس دنیا کو جنت میں تبدیل کرنے کے سلسلہ میں نشر و اشاعت اور تبلیغ میں مصروف ہے۔ یہ لوگ وفاتِ مسیح علیہ السلام کے قائل ہیں۔ انجیل میں "Keep doing this in remembrance of me". Luke 22:19 کے مطابق ہر سال 9 اپریل کو عیسیٰؑ کی death anniversary (برسی) مناتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وفات کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کی روح (spirit) آسمان پر چلی گئی تھی۔ وہ دوبارہ دنیا میں آ کر جب خدائی حکومت قائم (Kingdom of the God, establish) کریں گے تو یہ دنیا جنت میں بدل جائے گی' اس کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہئے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں انسانوں پر انسانوں کی حکومتیں اور سب مذہبی راہنما (religious leaders) خدائی حکومت کے خلاف ہیں۔ (ان لوگوں میں سے بعض افراد کے پاس قرآن بھی ہوتا ہے۔ قرآن میں بھی باطل طریق سے لوگوں کا مال کھا کر' دین کے راستے میں روک بن کر کھڑے ہونے والے علماء مشائخ کے متعلق اللہ کا یہی فرمان ہے (9:34)- نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا یہی عقیدہ مسلمانوں میں بھی پایا جاتا ہے مگر عیسائیوں سے دو قدم آگے نکل جانے کی خاطر چھپے ہوئے آمدِ مہدی کے اضافہ کے ساتھ۔ امام مہدی کے آنے کی غرض بھی عجب ہے۔ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰؑ آسمان سے نازل ہو کر دمشق میں مسجد کے منارہ پر اُتریں گے پھر امام مہدی سیڑھی لگا کر انہیں زمین پر اتاریں گے۔ انہیں کون سمجھائے کہ اس دنیا سے چلے جانے والے کبھی واپس نہیں آیا کرتے' یہ اللہ کا قانون نہیں ہے۔ کہنے والے نے خوب کہا ہے کہ ؎

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

سوچنے کی بات ہے کہ اس عقیدہ کو لئے ہم سے پہلے اس دنیا سے چلے جانے والوں کو کیا ملا یا ملے گا کیا جنت میں داخلہ بغیر حساب ہو جائے گا؟ اور اگر وہ ہماری زندگی میں نہ آئے تو کسی کو اس عقیدہ کا کیا فائدہ سوائے فتویٰ گروں کے وہ اپنی دوکانداری چمکانے کے لئے انکار حدیث کا لیبل چسپاں کر کے مُرتد' مُلحد اور بے دین کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ اللہ کا عطا کردہ ضابطۂ حیات اپنی اصلی شکل میں مسلمانوں کے

پاس ہے انہوں نے خود ہی اس میں دیئے گئے اور قائم کردہ نظام کو چھوڑا' حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) ہے اس لئے آنے والوں کا خیال دل سے نکال کر' رسول اللہ ﷺ کے اتباع میں دوبارہ ہمیں خود ہی اللہ کی حکومت یعنی قرآنی نظام قائم کرنا ہوگا۔ لیکن اگر متواتر اسی طرح نام اسلام کا لیتے رہے اور عملاً دین کی تکذیب تو اس دنیا میں ایسے لوگوں کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے کہ: إِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُواْ بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُواْ عَنْهَا لاَ تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاء وَلاَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ وَكَذَلِكَ نَجْزِيْ الْمُجْرِمِيْن o لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذَلِكَ نَجْزِيْ الظَّالِمِيْن (7:40-41)- حقیقت یہ ہے کہ جو قوم بھی اللہ کے قوانین کی تکذیب کرے گی اور ان سے سرکشی برتے گی (خواہ وہ ازخود ایسا کرے یا مغربی جمہوریت کی طرح دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی' یہ روش اختیار کرلے) وہ کبھی زندگی کی ان خوشگواریوں سے بہرہ یاب نہیں ہو سکے گی جو اللہ کے متعین کردہ آسمانی نظام کے اتباع کا فطری نتیجہ ہیں۔ ان کا معاشرہ کبھی جنتی معاشرہ نہیں بن سکے گا۔ یہ ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کسی موٹے رسّہ کا سوئی کے ناکے میں سے گزر جانا۔ مجرمین کی غلط روش کے نتائج ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ایسی قوموں کا اوڑھنا بچھونا جہنم کا عذاب ہوتا ہے۔ ظلم وسرکشی کا نتیجہ یہی ہوا کرتا ہے۔ موجودہ زمانے کے ہم مسلمانوں کی یہی حالت ہے۔ اللہ عالم الغیب نے وارثینِ کتاب میں سے ہم جیسے ایک گروہ کے متعلق فرمارکھا ہے کہ: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ (35:32)- دوسری جگہ ہے کہ: وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (5:45)- جولوگ ماانزل اللہ (قرآن) کے مطابق حکومت (فیصلے) قائم نہیں کرتے تو یہی لوگ ہیں جو حق اور انصاف سے کام نہیں لیتے۔ ظلم اور زیادتی کرتے ہیں یعنی ظالم ہیں۔

آج میں سوچ ہی رہا تھا کہ آرٹیکل کے اختتام پر کیا تحریر کیا جائے اسی وقت پاکستان سے ہمارے قصبہ کے پگڑی والے ''مولوی کلہاڑی'' کا ٹیلی فون آ گیا۔ باتوں باتوں میں انہوں نے کہا کہ اسلام خطرے میں ہے۔ مَیں نے عرض کی کہ موجودہ زمانے کے مسلمان اور اسلام دو متضاد چیزیں ہیں۔ اسلام خطرے میں نہیں ہے وہ تو ساری خارجی کائنات کے علاوہ جزواً جزواً مغربی ممالک میں چل رہا ہے' نہیں ہے تو مسلمانوں کے ممالک اور ان کی اپنی زندگی میں اسلام کا نشان تک نہیں ملتا۔ اس لئے اسلام نہیں' مسلمان خطرے میں ہیں' پاکستان خطرے میں ہے۔ انہوں نے کہا آپ کی بات صحیح ہے لیکن ہم ادھر ٹھیک ٹھاک ہیں بچے ہوئے ہیں۔ مَیں نے کہا تم مولویوں نے پاکستان کو جہنم بنا دیا۔ پاکستانیوں کو اللہ کی حکومت قائم کرنے کے سلسلہ میں

بہت لمبی مہلت مل چکی اب یہ وقفہ ختم ہوا چاہتا ہے۔ انتظار کیجئے یہ جھگڑ سوات اور قبائلی علاقہ تک محدود نہیں رہے گا۔ سورۃ الانفال کی آیت (8:25) پڑھیں جس میں اللہ کا فرمان ہے کہ: ''ظلم کی وجہ سے پورا معاشرہ لپیٹ میں آ جایا کرتا ہے وہ صرف ظالمین تک محدود نہیں رہتا۔'' مولوی صاحب مدرسہ کے لئے چندہ کی سٹوری ڈالنا بھول گئے۔ سلام علیکم کہہ کر فون بند کر دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الجن

(آیات23 تا اختتام)

عزیزانِ من! آج جنوری1984ء کی 20 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الجن کی آیت 23 سے ہو رہا ہے: (72:23)۔ سابقہ آیات میں آپ کو معلوم ہے، میں نے عرض کیا تھا کہ وہ انقلاب، جس کی ابتداء نبی اکرم ﷺ کی مکہ کی زندگی میں ہوئی، اس کی رفتار شروع میں بڑی دھیمی اور نرم تھی، آہستہ آہستہ آگے بڑھتی گئی اور آخر میں آ کر اس نے پوری شدت اختیار کر لی اور پھر حضور ﷺ قرآن کے الفاظ میں **وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ** (72:19) اس انقلاب کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ قام یہی چیز ہے اور یہی وہ چیز تھی کہ جب مخالفین نے دیکھا کہ اب تو اس تصادم کی آخری منزل آ گئی ہے تو **كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا** (72:19) وہ پورے جوش و خروش سے حملہ کر کے آ گئے، لپٹ پڑے یعنی اب یہ اسٹیج آ رہی ہے۔

آپ کو یاد ہے کہ جب 29 واں پارہ شروع ہونے لگا تھا تو میں نے کہا تھا کہ اب ان آخری دو پاروں میں اُس تصادم کا ذکر ہے جو اتنے عرصے تک یوں اس نرم روی سے چلا آ رہا تھا۔ اب یوں کہیے کہ وہ جو Confrontation (تصادم) ہے، جو تزاحم ہے، جو ٹکراؤ ہے، وہ اب سامنے آ جائے گا۔ لہٰذا قرآن کی ان آخری سورتوں میں اسی تصادم کی ایک تصویر کو پیش کیا گیا ہے جن سے پورا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔ تو یہاں سے اس تصادم کی ابتداء ہو گئی۔ جب حضور ﷺ اس پیغام کو دینے کے لیے اٹھے تو یہ عالمگیر پیغام، جو ایک انقلابی پیغام تھا، کیفیت یہ ہوئی کہ تمام مخالفت کی قوتیں ہجوم کر کے حضور ﷺ کے خلاف آ گئیں۔

بلا شرکتِ غیر حکومت

عزیزانِ من! اب یہاں سے بات آگے چلی۔ حضور ﷺ نے کہا کہ جس پیغام کی میں دعوت دے رہا ہوں اس میں **لَآ اُشْرِكُ**

بِہٖٓ اَحَدًا (72:20) خالصتاً خدا کے احکام وقوانین کی ہی اطاعت ہوگی اور اس میں کسی انسان کی اطاعت کو شریک نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ یہ پیغام دینے والا جسے سربراہِ مملکت کہا جاتا ہے اور حضورﷺ تو سب سے پہلی اسلامی مملکت کے سربراہِ اولیں تھے' ان کے متعلق بھی یہ کہا کہ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا (72:21) مجھے ذاتی طور پہ تمہارے لیے کسی نفع اور نقصان کا قطعاً کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اسلامی مملکت کی بنیادی خصوصیات کیا آ رہی ہیں: احکامِ خداوندی کی اطاعت بلا شرکتِ غیر اور اگر کسی انسان کے کسی حکم وقانون کا اس میں اشتراک ہو جائے گا تو یہ شرک ہوگا۔ شرک کے تو معنی ہی یہ ہیں۔

قرآن اور سربراہ مملکت کی اصطلاح

عزیزانِ من! اگلی خصوصیت ہی یہ بتائی کہ یہ جو انقلاب برپا کرنے والا ہے' مملکت قائم کرنے والا ہے' جسے آج کی اصطلاح میں سربراہِ مملکت کہا جاتا ہے' قرآن نے تو اس کے لیے یہ اصطلاح بھی استعمال نہیں کی' وہ کسی کو مملکت کا سربراہ بھی نہیں مانتا' وہ تو مشاورت سے پوری ملت کی مملکت مانتا ہے۔ قرآن کے احکام کو نافذ کرنا اس ملت کا فریضہ قرار دیتا ہے' تو سربراہی کا ہے کی لیکن بہرحال کوئی تو ایک مرکز ہوگا۔ میں نے اپنے ہاں اس کے لیے مرکز کا لفظ استعمال کیا ہے تو یہ جو اس اطاعت کا مرکز ہوگا وہاں اطاعت صرف خدا کی ہوگی' قرآنِ کریم کی ہوگی جس پر عمل کرانے والا مملکت کا ایک مرکز ہوگا' جسے نبی اکرمﷺ کہا ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ مجھے ذاتی طور پر تمہیں نفع نقصان پہنچانے کا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ اب دیکھتے چلے جا رہے ہیں کہ بظاہر عام تفاسیر سے تو یہی ظاہر ہوگا کہ یہ ''جنوں'' کی باتیں ہو رہی ہیں لیکن غور فرمایئے: کس کس کی باتیں ہو رہی ہیں۔ ہاں تو یہ کہا کہ سربراہِ مملکت کی طرف سے کسی کو کوئی نفع نقصان نہیں ہوگا۔

حضورﷺ کا اپنے متعلق فرمان

حضورﷺ نے کہا کہ یہ چیز تو ایک طرف رہی: اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا (72:22) اگر میں بھی اس کے قوانین کی نافرمانی کروں تو دنیا میں مجھے بھی کہیں پناہ نہیں مل سکے گی۔ یہ خود رسول اللہﷺ فرما رہے ہیں: پھر مجھے بھی کہیں پناہ نہیں مل سکے گی' نہ مجھے کوئی پناہ دینے والا ہوگا' نہ میں کہیں پناہ پا سکوں گا۔ اس آیت کے اندر یہ دونوں چیزیں آئی ہیں۔ یہ بڑی اہم چیز ہے۔ حضورﷺ نے فرمایا کہ میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں کسی قسم کی قوت اور اختیار رکھتا ہوں۔ میرا فریضہ یہ ہے کہ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِسٰلٰتِہٖ (72:23) میں خدا کے پیغامات تم تک پہنچاؤں یعنی وہ قوانین واحکامات تم تک پہنچاؤں' جو اس نے مجھے دیئے ہیں۔ اس کے مطابق ایک نظام قائم کروں اور پھر سب سے پہلے اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (6:163) ان قوانین کی خود اطاعت کروں۔

خدا کی اطاعت' خدا کے قوانین ہی کی اطاعت کے لیے' یہ رسول آتا ہے۔ یہ سب سے پہلا مرکزِ اطاعت بن رہا ہے اور کہتا یہ ہے کہ اس کے بعد تمہیں اختیار ہے کہ تم ان قوانین خداوندی کو مانو یا ان کی مخالفت کرو لیکن اتنا سن رکھو کہ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (72:23) اور جو قوانینِ خداوندی کی' اس نظام کی' جسے میں نے قوانینِ خداوندی کو نافذ کرنے کے لیے قائم کیا ہے' کی معصیت کرے' نافرمانی کرے' سرکشی برتے' تو اس کے لیے جہنم کا عذاب ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

عزیزانِ من! یہ چیز تو اب آپ کے ذہن میں آ گئی ہو گی' میں برسوں سے یہ کہے جا رہا ہوں کہ جہاں اللہ اور رسول کی اطاعت کا ذکر ہے وہاں اس نظامِ خداوندی کے مرکز کی اطاعت کا ذکر ہے جو خدا کے قوانین نافذ کرنے کے لیے رسول اللہؐ نے سب سے پہلے قائم کیا تھا اور اس کے بعد جب تک وہ قائم رہا وہی نظام تھا۔ یہاں کہا کہ جو بھی اس کی معصیت کرے گا اس کے لیے جہنم کا مقام ہو گا۔ مگر جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے تو اپنے ہاں جہنم' قیامت' بہشت' یہ سارا کچھ' آخرت کی زندگی تک ملتوی کر رکھا ہے۔ میں پھر دہرادوں اور ہر بار دہراتا ہوں کہ حیاتِ اخروی تو ہمارے ایمان کا جزو ہے اور جزو اولیں ہے۔ اگر اس سے انکار کیا جائے تو باقی اقرار یا ایمان کوئی کام ہی نہیں دیتا۔ اس کی اتنی اہمیت ہے' لیکن یہ نہیں ہے کہ یہ جو اس قسم کی سرکشیاں' اس قسم کی قوانینِ خداوندی کی نافرمانبرداریاں ہیں' ان سب کے نتائج قیامت میں ہی جا کر نکلیں گے۔ یہ ٹکراؤ اسی دنیا میں شروع ہو رہا تھا' اس کا انجام تو فتح مکہ کے دن ان لوگوں کے سامنے آ گیا تھا۔ قرآن کی ان آیات میں آپ دیکھیں گے کہ یہی وہ ٹکراؤ ہے جس کا ذکر بار بار آئے گا' میدانِ جنگ کا ذکر آئے گا' ہتھیاروں کا ذکر آئے گا' زنجیروں کا ذکر آئے گا' ہتھکڑیوں کا ذکر آئے گا' قید کا ذکر آئے گا' پابندیوں کا ذکر آئے گا' اور پھر وہ شکست خوردہ قوم' اور قوم بھی قریش کی سی تھی' جس نے کبھی کسی کے سامنے جھکنا سیکھا ہی نہیں تھا' وہ قوم کہ جو اس سے پیشتر اس جماعت کے افراد کے ساتھ جنگ تک کرنا بھی اپنی توہین اور تذلیل سمجھتی تھی' وہ لوگ اس طرح سے ان کے سامنے زنجیروں میں بند' گرفتار شدہ آئے' تو آپ ان کی اس حالت کا سوچ سکتے ہیں۔ اسی لیے قرآن نے جہنم کے متعلق کہا ہے کہ خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (41:16) ان کے لیے اس دنیا کی زندگی کے اندر ذلت اور رسوائی ہے۔ ابھی اگلی ہی آیت میں یہ پتہ چل جائے گا کہ یہ جو کہا ہے کہ ان کے لیے جہنم ٹھکانہ ہے: حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا [1] (72:24)۔ یہاں سَيَعْلَمُوْنَ آیا ہے کہ ابھی' عنقریب تم دیکھو گے' یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے' ان کو آج بڑا ناز ہے کہ ہمارے لشکر کی تعداد بہت بڑی ہے' ہتھیار اور ساز و سامان بہت کثرت سے ہمارے پاس ہے' اس گھمنڈ اور غرور پہ یہ مقابلے میں کھڑے ہیں۔ ان سے کہا کہ

---

[1] جب وہ تباہی ان کے سامنے آئے گی تو اُن پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ کس کے حمائتی کمزور ہیں اور کس کی جماعت کی تعداد کم ہے؟ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

حَتّٰی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ (72:24) جو کچھ ان سے کہا جاتا ہے کہ اگر تم اپنی ضد پہ اڑے رہے تو یہ تباہی آ جائے گی۔ یہ جو کہا جاتا ہے: ''جب یہ اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ واقعی وہ تباہی آ گئی ہے'' تو آنکھوں سے تو اسی دنیا میں ہی دیکھا جائے گا۔ پھر آگے تو قرآن بتا رہا ہے کہ فَسَیَعْلَمُوْنَ (72:24) عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔ کیا معلوم ہو جائے گا؟ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا (72:24) کس کے حمایتی تھوڑے تھے اور کس کی تعداد زیادہ تھی؟ اس کا ابھی پتہ چل جائے گا۔

عزیزانِ من! اب یہ پوچھتے تھے کہ وہ تباہی کب آئے گی۔ قرآن میں بار بار ان کے لیے یہ چیز آئی ہوئی ہے اور وہ بار بار یہ بتاتا ہے کہ اعمال اور ان کے نتائج کے محسوس شکل میں برآمد ہونے میں مہلت کا ایک وقفہ ہوتا ہے اور اِسے یعنی اس مہلت کے وقفے کو خدا نے اپنی رحمت قرار دیا ہے۔ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ شاید چھوٹے چھوٹے جھٹکوں سے بات ان کی سمجھ میں آ جائے اور پھر یہ اپنی اصلاح کر لیں یعنی اس اصلاح کے لیے ایک Opportunity (موقعہ) دیا جاتا ہے' فوری گرفت نہیں ہوتی۔ وہ تو قرآن نے کہا ہے کہ اگر خدا انسانوں کے اعمال پہ فوراً ہی گرفت کر لے تو دنیا میں کوئی انسان ہی باقی نہ رہے اور بات تو ٹھیک ہے: کون انسان ہے جس سے کبھی کوئی لغزش نہیں ہوتی اور اگر اس لغزش پر فوراً ہی اس کو ختم کر دینا ہو تو وہ جو قرآن نے کہا ہے کہ پھر دنیا میں تمہیں کوئی انسان ہی نظر نہ آئے۔

مہلت کے وقفے سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا نتیجہ

مہلت کا یہ وقفہ ہماری رحمت ہے۔ ہم مہلت کا وقفہ دیتے ہیں' تنبیہ کیے چلے جاتے ہیں' بتاتے چلے جاتے ہیں کہ اس غلط روش' اس غلط نظام' کا انجام تباہی ہوگا' اس میں تبدیلی کر لو' ترمیم کر لو' اصلاح کر لو' بدل لو' تمہیں وقت دیتے ہیں' تمہیں مہلت دیتے ہیں' اور اسی سے قرآن کہتا ہے کہ یہ لوگ اسی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔ کہتے تھے کہ صاحب! خوامخواہ روز ہمیں ڈراتا چلا جاتا ہے کہ یہ ہوگا اور تباہ ہو جاؤ گے' برباد ہو جاؤ گے' ہوتا کچھ بھی نہیں ہے' ہم تو پھولتے پھلتے چلے جا رہے ہیں' پنپتے چلے جا رہے ہیں۔ یہی چیز تھی اور پھر یہاں بھی یہ اعتراض ہوا کہ وہ تباہی کب آئے گی۔ کہا کہ قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا [1] (72:25)۔

اب یہاں رسول ﷺ کی اگلی بات آئی کہ یہ تو مجھے یقین ہے کہ وہ تباہی آ کر رہے گی لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کب آئے گی۔ جلدی آ جائے گی یا دیر میں آئے گی' یعنی اس کا علم رسول کو بھی نہیں ہے لیکن یہ یقین ہے کیونکہ خدا نے اس کے متعلق کہا ہوا ہے' وعدہ کیا ہوا

---

[1] ان سے کہہ دو کہ میں نہیں جانتا کہ وہ عذاب جلدی آئے گا یا میرا نشوونما دینے والا اس کی موت کو لمبا کر دے گا (اور وہ دیر میں واقع ہوگا۔) (مفہوم القرآن۔ پرویز)

ہے۔اسے اس کا یقین ہے کہ یہ آ کر رہے گی لیکن وہ کہتا یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ یہ کب آئے گی: قریب ہی ہے یا بعید ہے۔ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا o عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا o اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْ م بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا (72:25-27) کہ آیا میرا نشو ونما دینے والا اسے لمبا کر دے گا' مستقبل کا علم صرف خدا کو ہوتا ہے۔ وہ اس کے متعلق کسی کو خبر نہیں دیتا البتہ وہ جس شخص کو نبوت کے لیے منتخب کرتا ہے' اسے مستقبل کے متعلق جس قدر بتانا مقصود ہوتا ہے' وحی کے ذریعے بتا دیتا ہے اور اس کی وحی کی حفاظت کے لیے اس کے آگے اور پیچھے محافظ مقرر کر دیتا ہے۔ عزیزانِ من! یہ جو آنے والی بات ہے' جو اس وقت ہمارے سامنے نہیں ہے' اسے غیب کہا جائے گا۔ یہ Future (مستقبل) کی بات ہے' یہ حال کی بات نہیں ہے' یہ غیب کی بات ہے۔ اسے تو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے' جس حد تک کوئی غیب کی بات بتانا چاہتا ہے' وہ اتنی سی بات وحی کے ذریعے اس کو بتا دیتا ہے' اس سے زیادہ رسول کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا۔

رسول کو کتنا غیب کا علم تھا

عزیزانِ من! ہمارے ہاں تو ہر بات مسئلہ بن جاتی ہے' پھر بحثیں شروع ہو جاتی ہیں' مناظرے شروع ہو جاتے ہیں' قرآن کی طرف تو کوئی آتا نہیں ہے۔ یہ بحثیں صدیوں سے شروع ہیں۔ ان بحثوں میں پہلی بات یہ آتی ہے کہ کیا رسول کو غیب کا علم حاصل تھا یا نہیں؟ قرآن کی طرف آئیں' اس نے ہر چیز واضح کر دی ہے۔ یہاں رسول کہہ رہا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ وہ تباہی کب آئے گی' مجھے بھی صرف غیب کا اتنا علم ہوتا ہے جتنا خدا بذریعہ وحی مجھے بتا دیتا ہے' اس سے زیادہ نہیں۔ اور پھر وہ رسول تو ایک طرف رہے' جب یہ بات آگے چلتی ہے تو چل سو چل ہوتا ہے۔ جب بند کھول دیا جائے پھر تو سیلاب کا تو پوچھو نہیں کہ کہاں تک جاتا ہے۔ پھر تو ہر حضرت پیشین گوئیاں کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ پیشین گوئی کرنا کیا ہوتا ہے؟ پیشین گوئی کے تو معنی یہ ہیں کہ واقعہ کے نمودار ہونے سے پہلے اس کے متعلق بتا دینا۔ یہی تو غیب کا علم ہے۔ یہاں تو رسول کہہ رہا ہے کہ مجھے بھی علم نہیں ہے کہ وہ تباہی کب آئے گی' مگر یہ تقدیروں کے حالات بتاتے ہیں' مقدرات اور قسمت کی باتیں بتاتے ہیں' روز رات کو جا کر' عرش کے اوپر رکھی ہوئی لوحِ تقدیر کو پڑھ کے آتے ہیں' پھر اس کے متعلق آ کر غیب کی ساری باتیں بتاتے ہیں' ہر حضرت جی کو غیب کا علم ہوتا ہے' یہ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ اس نے پیشین گوئی کی۔ ذرا یہ فارسی کا لفظ چھوڑ کے عربی کا لفظ لے آئیے۔ یہ غیب ہی کی بات ہے جسے یہ پیشین گوئی یا پیش گوئی کہتے ہیں۔ اور کسی کو بھی یہ کہتے ہوئے ذرا کرک نہیں آتی کہ وہ پیشین گوئیاں کرتے ہیں اور سچی نکلتی ہیں۔ تو گویا جو آنے والے واقعات اس وقت غیب میں ہیں ان کا انہیں علم ہو جاتا ہے۔ یہ کچھ مانا جاتا ہے۔

علم غیب کے حدود

عزیزانِ من! اگر اس غیب کے متعلق قرآن میں آیئے تو اتنی تحدی سے خدا نے یہ کہا ہے کہ خدا کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں ہے اور وہ اپنے رسولوں میں سے بھی جسے چاہتا ہے اور جتنے حصے تک کسی بات کے متعلق چاہتا ہے وحی کے ذریعے سے صرف اسی حد تک ان کو بتاتا تھا' اور جو وحی ہے اب وہ ختم ہوگئی۔ اس کے بعد تو رسول ہی آنے یا نبی آنے ہی بند ہو گئے۔ وہ تو سلسلہ ختم ہو گیا' لیکن نہیں' ان کے ہاں یہ علمِ غیب موجود ہے۔ یہ جتنے بھی اولیاء کرام ہیں' ان کو پھر اُسی طرح سے یہ سب کچھ ہوتا ہے اور پھر آپ کے ہاں پیشین گوئیاں جب سال آیا یا سال کا آخر ہوا' آنے والے سال کی پیشن گوئیاں منجم کرتے چلے جاتے ہیں' ستاروں سے انسانوں کی قسمت کا حال بتاتے ہیں۔ اندازہ لگایئے۔ باقی قوموں کا تو چھوڑ دیجیے' وہ تو قیاس آرائیوں کو صرف علمی سطح پہ لیتے ہونگے۔ اگر وہ انہیں پیشین گوئیاں بھی کہیں تو بھی ہمیں ان سے تعرض نہیں ہے مگر یہ جو ہاتھ میں قرآن لے کر یہ کہتے ہیں کہ یہ آنے والے واقعات کا' یعنی غیب کا علم' جانتے ہیں اور پیشین گوئیاں کرتے ہیں اس کا کیا کہیں گے!! اور ہمارے ہاں تو اس کے اوپر پوچھو نہیں' کتنی بحثیں ہوتی چلی جاتی ہیں جبکہ رسول یہ کہہ رہا ہے کہ **عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا o اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ** (72:26) خدا غیب کا علم صرف رسول کو وحی کے ذریعے دیتا ہے اور پھر اس وحی کی وہ خود حفاظت کرتا ہے۔ قرآن کے متعلق تو خود قرآنِ کریم میں ہے کہ خدا نے اس کو نازل کیا ہے: **و اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ** (15:9) ہم نے اسے نازل کیا' ہم اس کے محافظ ہیں۔ قرآن کی محافظت یہی ہے کہ اس میں کوئی ایک لفظ بھی اِدھر اُدھر سے نہ آئے لیکن ہم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ ہم نے کہا: جی ٹھیک ہے' آپ اپنے قرآن کے الفاظ کی حفاظت کیے رہیے' ہم اس کے ایسے معنی کریں گے کہ قرآن کا ایک لفظ باقی نہ رہے۔ کرلو کیا کرتے ہو!! (معاذ اللہ) ہمارے ہاں وہ تفسیریں ہیں جن کے متعلق خود ان لوگوں نے کہا ہوا ہے کہ ان قرآن کی تفاسیر میں قرآن کے سوا سب کچھ ہے' اور پھر اس کی تاویلوں میں تو پوچھیے نہیں کہ بات کہیں سے کہیں چلی جاتی ہے۔ بہرحال اس نے یہ کہا تھا کہ ہم نے اس کی حفاظت کرنی ہے اور اس حفاظت کے لیے الفاظ یہ ہیں کہ اس کے آگے اور پیچھے ہم پہرے دار کھڑے کر دیتے ہیں کہ کوئی اس کو Touch (مس) نہ کرنے پائے۔

قرآن کا معجزہ

یہ بھی قرآن کا معجزہ ہے کہ تمام مبینہ کتبِ آسمانی میں صرف قرآن ایسی کتاب ہے جس کے لیے غیر مسلم مورخ اور محقق بھی اپنی تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس میں ایک لفظ کی بھی کمی بیشی یا ترمیم و تنسیخ نہیں ہوئی۔ قرآن لفظاً لفظاً وہی ہے جو نبی اکرم ﷺ نے امت کو دیا ہے۔ اور اگلی بات تو پھر ایمان کی ہوئی کہ حضور ﷺ نے اپنی طرف سے نہیں دیا۔ یہ خدا کی وحی تھی جو حضور ﷺ

نے انسانوں تک پہنچائی۔ تو یہ جو خدا نے پہرے مقرر کیے تھے وہ پہرے دار اس قدر سخت قسم کے تھے کہ قرآن میں کسی ایک لفظ کی بھی تبدیلی نہیں ہوسکی لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ (72:28) اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ رسولوں نے خدا کے پیغامات لوگوں تک پہنچا دیئے یا نہیں۔ رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ (72:28) اس میں رسول کی کوئی اپنی بات نہیں۔ وہ تو اپنے نشو ونما دینے والے کا صرف پیغامبر ہے۔ رسول کے معنی ہی قاصد اور پیامبر کے ہوتے ہیں۔ وہ تو صرف پیغام پہنچاتا ہے۔ اس نے اس پیغام کو محفوظ کر کے رکھ دیا تا کہ یہ دیکھ لیا جائے کہ یہ وہی پیغام ہے جو خدا نے اس کو دیا تھا جسے یہ انسانوں تک پہنچا رہا ہے۔ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (72:28) اور وہ جو ہم نے پہرے دار مقرر کیے ہیں' اس کا وہ احاطہ کیے ہوئے ہیں تا کہ کسی طرف سے بھی کوئی خائن اس کی طرف نہ آنے پائے۔ اتنا سخت پہرہ لگا دیا ہے اور ہر چیز اس طرح گن رکھی ہے کہ ہر وقت گنی جا سکے کہ واقعی وہ ٹھیک ہے۔ کسی شے کے یقینی ہونے کے متعلق یہ عجیب چیز ہے کہ کہا جائے کہ یہ دیکھیے دس ہیں' یہ دیکھ لو' اس وقت گن لو اور اس کے بعد دیکھ لیا جائے کہ دس ہی ہیں' پھر ہوگا کہ اس میں کوئی تحریف نہیں ہوئی۔ تو یہ قرآن ہے انقلابِ خداوندی کا دعویدار جسے نبی اکرم ﷺ نے پہنچایا۔

عزیزانِ من! سورۃ الجن یہاں ختم ہوئی۔ اب آگے سورۃ المزمل [1] لیتے ہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ط

❀.....❀❀❀.....❀

---

[1] اس سورۃ کے لیے سولھواں باب دیکھیے۔ اس کا یہ ابتدا اسی درس کا حصہ ہے:

☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المزمل (ابتدائیہ)[1]

سورۃ المزمل کی اہمیت

عزیزانِ من! میں قریباً پچاس برس سے اس قرآن پر غور و تدبر کرتا چلا آ رہا ہوں۔ یقین مانیے بعض سورتیں ایسی ہیں کہ جب بھی

---

[1] یہ درس سورۃ الجن والے درس کا ہی حصہ ہے کیونکہ سورۃ الجن کے اختتام پر سورۃ المزمل کا یہ درس شروع کر دیا گیا تھا۔

وہ سامنے آتی ہیں تو میں ان کی ہیبت سے' ان کی عظمت سے' ان کے گراں قدر ہونے سے' کانپ اٹھتا ہوں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ ان آخری دو پاروں کے شروع میں اس انقلابی پروگرام کا ذکر ہے جو نرم خرامی سے چلا آ رہا تھا۔ اب اس میں سرعت آ گئی۔ مکی زندگی میں اس کی تیاریاں سست رفتاری سے تھیں' پروگرام ایک ہی تھا۔ ابھی قرآن کے یہ الفاظ آئیں گے' وہ پروگرام نہایت مناسب' متوازن اور صحیح Proportion (تناسب) کے تابع آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ یونہی نہیں تھا بلکہ پہلے دن سے آخری دن تک' اس پروگرامِ نبوی یا پروگرامِ خداوندی کا مقصود ومطلوب اور اس کی آخری منزل نبی کے سامنے تھی' اس کا نبی کو بتا دیا گیا تھا۔

رفقاء کی ضرورت

عزیزانِ من! تاریخ میں چیزیں ملتی ہیں کہ حضورﷺ نے پہلے ہی خطاب میں قوم سے یہ کہا تھا کہ میں عرب وعجم کی ان ملوکیتوں اور شہنشاہتیوں کو الٹنے کے لیے ایک پیغام لے کر اٹھا ہوں۔ مجھے کچھ رفقاء کی ضرورت ہے۔ بتاؤ: کون اس بوجھ کو بٹانے والا میرے ساتھ شریک ہوتا ہے؟ یہ قوم سے پہلا خطاب تھا۔ ابھی اس آواز کو سیکنڈ کرنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ کہا تھا اَنَـا اَوَّلُ الْـمُسْـلِمِيْـنَ ❶ (6:164)۔ یہ پہلی آواز اٹھی ہے اور پہلی ہی آواز میں یہ کہا جا رہا ہے۔ آپ تاریخوں میں یہ پڑھ رہے ہیں کہ قریش نے اس پیغام کے خلاف از حد مزاحمت کی' مخالفت کی' تصادم کیا۔ وہ ساری مکی زندگی میں یہ کچھ کرتے رہے اور اس کے بعد مدنی زندگی میں تو باقاعدہ لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ تاریخی بیان کے مطابق سات سال کے عرصے میں بیاسی کے قریب' جنگیں لڑی گئیں جن میں چھوٹی موٹی لڑائیاں' اور بڑے بڑے جنگ شامل ہیں' تآنکہ مکہ فتح ہو گیا۔ قریش کو آخری شکست یونہی نہیں ہوگئی' وہ تو آخری وقت تک' آخری انسان تک' مخالفت کرتے رہے۔

مخالفت کی وجہ جواز

یہ کیوں اور کیا تھا کہ جس کی وہ اتنی مخالفت کر رہے تھے؟ کیا وہ یہی بات تھی کہ آپ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ نماز پڑھنے والے تو اسلام سے پہلے خود ان کے ہاں موجود تھے' جنہیں حنیف کہا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا دعویٰ تھا کہ ہم ملتِ ابراہیمی کی پیروی کرتے ہیں۔ ملتِ ابراہیمی کی نسل میں سے ہونے کا دعویٰ تو یہ سارے قریش یا یہ عرب بھی کرتے تھے۔ ان کے اندر ایسے بھی تھے جن کا یہ کہنا تھا کہ ہم ملت ابراہیمی کی پیروی کرتے ہیں' اور وہ بت پرست نہیں تھے بلکہ وہ اپنے زعم کے مطابق خدا کی عبادت کرتے تھے جیسے ہم کرتے

---

❶ سب سے پہلے' میں نے خود اس حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا ہے۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

ہیں۔ان کے اندر بھی آپ ﷺ کی مخالفت کرنے والے تھے لیکن انہیں تو یہ کچھ نہیں کہتے تھے۔کیا یہ حضور ﷺ کی ہی ''نماز'' ایسی تھی جس پر ان کی مخالفت تھی؟ اِن کی کیفیت یہ تھی کہ تیرہ سال مکی زندگی کے بعد سات سال مدنی زندگی میں یہ لوگ میدانِ جنگ تک چلے گئے۔خون ریزیاں کیے جارہے ہیں تو آخر اس کی وجہ کیا تھی۔دراصل حضور کی نماز (نظامِ حیات) سے تو اُن کا سارا خود ساختہ نظام الٹ رہا تھا چنانچہ ان لوگوں کی مخالفت اس قدر شدید تھی کہ آپ اپنے Followers یعنی ساتھیوں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے۔اِس کے باوجود پھر یہ کیا تھا کہ یہ یہاں مکے سے اٹھ کر لشکر لے لے کر' وہاں مدینہ منورہ چلے گئے۔کیوں؟ کہ وہاں نماز نہ پڑھیں؟ ارے تمہیں ان کی اس نماز سے کیا ہوتا ہے۔

عزیزانِ من! انہیں پتہ تھا کہ یہاں ہی نہیں اگر کسی جگہ بھی یہ نظام قائم ہوگیا تو آس پاس میں کسی جگہ بھی باطل کا نظام باقی نہیں رہ سکے گا۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ یہ نظام کہیں بھی قائم نہ ہو۔کیا تھا قریش کا نظام' ایران کا نظام' رومن کا نظام؟ آپ کو معلوم ہے کہ مدنی زندگی کے اندران کے ساتھ ٹکراؤ ہورہا تھا۔اتنی بڑی قریش کی قوت اور یہ اس قدر قلیل التعداد: نہ سامان موجود' نہ کوئی پورے ہتھیار موجود' پناہ گزینوں کی طرح مدینے میں آ کے بیٹھے ہوئے' دوسرے ہی سال انہوں نے ہجوم کر کے حملہ کر دیا۔حالات تو ایسے' اور حضور ﷺ روما کے شہنشاہ' ایران کے شہنشاہ' حبشہ کے بادشاہ' کو چٹھیاں لکھ رہے ہیں۔کیا بات ہے ان حالات میں! آپ ﷺ نے لکھا تھا کہ ہمیں معلوم ہورہا ہے کہ تمہارے ہاں کے مزدوروں اور کسانوں کے اوپر ظلم ہورہا ہے' اس سے باز آجاؤ' ورنہ ان کے ظلم کا بدلہ تم سے لیا جائے گا۔یہ چٹھی لکھی جارہی ہے' اس کی طرف سے' مدینے میں جو کہ پناہ گزینوں کی حیثیت رکھے ہوئے ہیں۔یہ ہے پیغامِ نبوی' یہ ہے انقلابِ محمدی' یہ ہے یقینِ محکم! یہ کچھ ان حالات میں لکھا جارہا تھا جب نظر آتا تھا کہ شاید قریش کے مقابلے میں' یہ زندہ بھی نہ رہیں۔یہ کچھ شہنشاہوں کو لکھا جارہا تھا۔کون تھے یہ شہنشاہ؟ یہ تھے رومن شہنشاہ' ایران کے کسریٰ' روما کے قیصر' حبشہ کے نجاشی۔یہی اردگرد تھے اور پھر رومن اور ایران کی Empire (سلطنت) کا آپ تاریخ سے پوچھیے۔صدیوں سے' دنیا میں' یہ دو ہی مملکتیں' یہ دو ہی تہذیبیں تھیں۔یہ کچھ انہیں کہا جارہا تھا اور جو کہا گیا اسے پھر کر کے بھی دکھا دیا: دونوں مملکتوں کا نظام الٹ کے دکھا دیا۔یہ تھی وہ صلوٰۃ' عزیزانِ من! جو یہ قریش جانتے تھے' سمجھتے تھے کہ ''قیامت ہا کہ درقد قامتِ اوست''۔یہ ہمارے ہاں قد قامت الصلوٰۃ نماز کے وقت جماعت کے کھڑے ہونے پر کہا جاتا ہے۔مفکرِ قرآن ڈاکٹر محمد اقبالؒ (1877-1938) نے کہا ہے کہ اس دور کا یہ بیچارہ سطحی نگاہ والا یہ مسلمان کیا جانے: کہ یہ قیامت ہا کہ درقد قامتِ اوست کیا ہے؟

قد قامت صلوٰۃ کا قرآنی مفہوم

اس صلوٰۃ کے متعلق' جب یہ کہا گیا کہ یہ قیام اس صلوٰۃ کا ہے تو اس میں جو قیامتیں پوشیدہ ہیں' وہ آنکھوں والے جانتے ہیں۔

وہ قریش جانتے تھے کہ اس ''قد قامت'' کے اندر کیا قیامتیں پوشیدہ ہیں: نہ ان کا نسبی تفاخر باقی رہ سکتا تھا' نہ ان کی تجارت باقی رہ سکتی تھی' نہ مدینے میں ربوٰ۔ یہودیوں کا سارا کاروبار ربوٰ پہ تھا۔ ان کو معلوم تھا کہ کچھ نہیں باقی رہ سکتا: نہ ملوکیت رہ سکتی ہے' نہ کسی انسان کا اختیار رہ سکتا ہے' نہ کوئی حکومت باقی رہ سکتی ہے۔ یہ انقلاب ہے' یہ زندگی کے ہر شعبے میں الٹ کے رکھ دینے والی بات ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر یہ انسانیت ساز انقلاب آ گیا اور اگر انہوں نے غلاموں تک کو بھی اٹھا کے کسی بڑے سے بڑے قریشی کے ہم مرتبہ رکھ دیا تو پھر کوئی بھی جگہ ایسی نہیں ہوگی جہاں یہ انقلاب مؤثر نہ ہو سکے۔ وہ اس کو جانتے تھے۔ یہ تھا' عزیزانِ من! وہ پروگرام۔ اب اس لحاظ سے ہجرت کے معنی ہی یہ تھے کہ اب پروگرام کی دوسری منزل شروع ہو رہی تھی۔ یہاں پہنچنے کے بعد اس انقلاب کے لیے پھر للکار کر آواز دی جا رہی تھی۔

تفسیروں کی رو سے مزمل کی تفصیل

عزیزانِ من! یہاں سے وہ پہلی بات شروع ہوتی ہے جہاں کہا تھا: یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ (73:1)۔ خدا کی طرف سے کیا خطاب ہے! قبل اس کے کہ میں بتاؤں کہ خدا کی طرف سے یہ کیا خطاب تھا' اپنی تفسیروں کی طرف' روایات کی طرف' ترجموں کی طرف آ جایئے۔ ان میں لکھا ہے: اے کملی اوڑھنے والے! یہ ترجمہ ہے جی' یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ (73:1) کا۔ اے کملی اوڑھنے والے! کیا بات ہے؟ پھر جب یہ یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ شاعروں کے ہاتھ چڑھا' جب یہ قوالوں کے ہاتھ میں گیا' تو آپ سوچ لیجیے کہ یہ کیا سے کیا ہو گیا۔ عزیزانِ من! اس ہزار سال کی ملوکیت میں ساری سازش یہ تھی کہ قرآن کے انقلابی پیغام کی طرف امت کی نگاہ نہ اٹھنے پائے: مست رکھو ذکر و فکر و صبحگاہی میں اسے۔

مقامِ نبوت' مقامِ وحی اور تصوف کی حقیقت

شریعت تو ایک طرف رہی' تصوف بھی در آیا۔ نبوت کے متعلق خود خدا نے رسول اللہ کو یہ بتایا تھا کہ اے رسول! تو ایک دن پہلے تک جانتا نہیں تھا کہ تجھے یہ وحی ملنے والی ہے۔ یعنی اِس وحی کا خدا کی طرف سے دیا جانا ایک ایسا علم تھا جس کے متعلق تجھے ایک ثانیہ پہلے پتہ ہی نہیں تھا کہ تجھے یہ علم ملے گا' چہ جائیکہ تو اس کے لیے کچھ تیاریاں کرتا' کچھ کوششیں کرتا' کچھ مشقتیں کرتا کہ تجھے یہ مل جائے۔ تجھے تو علم بھی نہیں تھا کہ تجھے یہ ملے گا۔ یہ تو وہ علم ہے جسے وہبی علم کہتے ہیں' وہ نازل ہونا ہوتا ہے' نیچے سے اوپر نہیں آنا ہوتا' اندر سے باہر نہیں آنا ہوتا' یہ اوپر سے آتا ہے' خارج سے آتا ہے' یہ ملتا ہے۔ لفظ نزول نے وحی کی یہ ساری حقیقت بیان کر دی ہوئی ہے۔ یہ لفظ نزول ہے' یہ نازل ہوتا ہے' لیکن یہاں تصوف' شریعت' طریقت میں کیا کہا جا رہا ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہ تصوف میں ریاضتیں ہوتی ہیں'

جن سے اولیائی کا مرتبہ ملتا ہے۔ وہ کیا ہوتی ہیں؟ تصوف میں چلے ہیں' مراقبے ہیں' ریاضتیں ہیں۔ میں یہ آپ بیتی کہہ رہا ہوں۔ یہ گنہگار آپ کے سامنے موجود ہے۔ کیسے ہوتا ہے وہ؟ کہ جی' وہ ذرا سا پانی لیا' تھوڑا سا کچھ کھانے کو لیا' کسی غار میں جا کر بیٹھ گئے۔ چالیس چالیس دن تک وہ کسی غار میں جا بیٹھے۔ اُس دَور میں غاریں تو ہوتی نہیں تھیں۔ ہم حجروں میں ہی بیٹھا کرتے تھے' انہیں غاریں بنالیا کرتے تھے۔ غار میں' تو خیر پہلے ہوتا ہی اندھیرا ہے' ان حجروں میں تو دروازے تھے' روشنی آتی تھی' انہیں بند کر لیتے تھے کہ کہیں سے روشنی کی کرن نہ اندر آنے پائے۔ جتنی تاریکی زیادہ ہوگی' بس اتنا ہی نور زیادہ آئے گا۔ وہ جا بیٹھتے تھے جی غاروں میں۔ تصوف کی اولیائی کا یہ طریقہ ہے۔ وہاں جا کر مراقبے میں بیٹھتے تھے۔ یہ وہی ہے جسے گیان دھیان کہتے ہیں۔

ہر جگہ پر تصوف کی ایک ہی شکل ہے

تصوف خواہ عیسائیوں میں ہے' خواہ ہندوؤں میں ہے' خواہ یہودیوں میں ہے' خواہ مسلمانوں میں ہے' اس کا ایک ہی طریقہ ہے: اسی طرح سے' گیان دھیان میں' تاریکیوں کی ریاضتوں میں' مراقبوں میں بیٹھنا۔ اب تصوف میں' جو یکسر ایک غیر اسلامی تصور تھا' کو سند دینے کے لیے کہا کہ رسول اللہ ﷺ بھی نبوت ملنے سے پہلے' یہ آپ کی روایات' آپ کی احادیث میں' متفقہ طور پر آتا ہے کہ تھوڑے سے ستو' تھوڑا سا پانی لے کر' غارِ حرا میں چلے جاتے تھے۔ وہاں جا کر چالیس چالیس دن بیٹھے رہتے تھے۔ ذرا سوچیے! حرا کی غار ہے۔ اس کی زیارت کرنے کا مجھے بھی شرف حاصل ہوا ہے۔ یہ خاصے اونچے پہاڑ میں ہے۔ اس کا راستہ بڑا ہی دشوار گزار ہے۔ اس میں کہیں الگ سی اتنی سی جگہ ہے' یہاں یہ کہتے ہیں کہ آپؐ جا بیٹھتے تھے۔ غار کا یہ تصور تو انہوں نے لیا ہی ہندوؤں سے ہے۔ بہرحال یہ کہتے ہیں کہ جی! وہاں آپ چلے جاتے تھے: تھوڑے سے ستو اور تھوڑا سا پانی لے کر۔ چالیس دن تک وہیں رہتے تھے۔ سیدھی سی بات ہے کہ پھر غار میں کیا کرتے تھے۔

علم لدنی کے حصول کے لیے کوشش

اب یہی چالیس دن تک غارِ حرا میں بیٹھنا ان کی سند آ گئی۔ یہ اپنے مراقبوں کی سند اس سے لیتے ہیں کہ یہ تو سنتِ رسول اللہ ﷺ کا اتباع ہے۔ اچھا جی! تم نے یہ ریاضتیں کیں' یہ کوششیں کیں' یہ مراقبے کیے تو پھر تمہیں یہ اولیائی آ گئی' تمہیں علم حاصل ہو گیا۔ اسے یہ لوگ علمِ لدنی کہتے ہیں یعنی وہ علم جس میں انسان کی اپنی کوشش کا دخل نہ ہو' جو خدا کی طرف سے ملے۔ یہ ہے تصور۔ تو اسی کو تو وحی کہتے ہیں' مگر ہم کہتے ہیں کہ ہم اسے وحی نہیں کہتے۔ اس کو علمِ لدنی کہتے ہیں۔ تو گویا انسان کی اس کاوش اور کوشش سے یہ حاصل ہوتا ہے۔ بعینہٖ اسی مقام کے اوپر انہوں نے نبی کو رکھ دیا کہ حضور ﷺ بھی اسی طرح سے جا کر چلے کیا کرتے تھے اور ایسے چلے کے بعد' اس کے

نتیجے میں‘علمِ لدنی ملتا تھا۔ اس طرح حضورﷺ کو ایک روز اس غار میں وحی مل گئی (معاذ اللہ) ۔

چادر کے اوڑھنے پر پیش کردہ روایت

عزیزانِ من! بات میں مزمل کی کر رہا تھا۔ اب اس کے لیے دو تین قسم کی روایتیں ملتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ قریش نے ایک دفعہ جمع ہو کر یہ کہا کہ (معاذ اللہ‘ معاذ اللہ) اس شخص کا کچھ نام رکھنا چاہیے‘ اسے اس کے اصل نام سے نہیں بلانا چاہیے۔ یہ نام ایسا رکھنا چاہیے جس میں (معاذ اللہ‘ معاذ اللہ) کچھ نفرت کا پہلو نکلے تو ہم وہی نام لیا کریں تو سمجھ جایا کریں کہ کس کے متعلق آپس میں بات کی ہے۔ کسی نے کہا: اسے کاہن کہا جائے‘ کسی نے کہا: اسے شاعر کہا جائے‘ کسی نے کہا: اسے مکذب کہا جائے۔ تو اس روایت میں آگے یہ ہے کہ یہ باتیں سن کر حضورﷺ بڑے مغموم ہوئے‘ افسردہ خاطر ہوئے۔ اس کی وجہ سے‘ اسی افسردگی کے اندر‘ غم آلودگی کے اندر‘ بہت مایوسی کی حالت میں‘ آپﷺ ایک چادر اوپر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ وہ چادر کمبل کی ہو سکتی ہے۔ اس زمانے میں کمبل ہی ہوتے تھے کہ اتنے میں جبریل آئے۔ تو انہوں نے جب آ کے دیکھا تو کہا: او کملی والے! عزیزانِ من! آپ نہ ہنسیے۔ اس قوم کے مقدر پہ روئیے‘ یہ ہے جی ان کے ہاں المزمل۔

پہلی وحی کے نازل ہونے پر روایاتی بیان

اس کے علاوہ دوسری روایات ہیں کہ نہیں‘ جب غارِ حرا میں پہلی دفعہ نزولِ وحی ہوا تو آپﷺ کے پاس جبریل آئے اور آپﷺ کے سامنے ایک کاغذ رکھا اور کہا کہ اقراء‘ پڑھ۔ آپﷺ نے فرمایا: میں تو پڑھنا نہیں جانتا یعنی خدا نے کچھ لکھ کر بھیجا‘ جبریل اس لکھے ہوئے کو لے کر آ گیا‘ کہا کہ اس کو پڑھ‘ پتہ ہی نہیں تھا کہ یہ پڑھنا نہیں جانتے‘ (معاذ اللہ‘ معاذ اللہ) معافی چاہتا ہوں۔ آپﷺ نے کہا تو ان کو بات سمجھ میں آئی کہ آپﷺ پڑھنا نہیں جانتے‘ تو پھر جبریل نے سینے سے لگایا‘ چاروں طبق روشن ہو گئے‘ آپﷺ نے فٹا فٹ پڑھنا شروع کر دیا لیکن آپﷺ پہ بڑی دہشت طاری ہوئی۔ اب آگے اس روایت کی بڑی لمبی چوڑی تفصیل ہے۔ یہ روایت بخاری میں ہے۔ ہاں‘ تو جب جبرائیل نے آپﷺ کو سینے سے لگایا تو دہشت کی یہ ساری کیفیت ہی بدل گئی۔ یہ ہے وہ کیفیت جہاں سے وحی کی ابتداء ہوئی۔ تو آپ یہ ساری تفصیل اس میں دیکھیے (معاذ اللہ‘ معاذ اللہ) یہ کیفیت ایسے افسانوی انداز میں لکھی ہے: وہاں سے آپﷺ کے اوپر دہشت طاری ہوئی‘ آپﷺ کانپتے ہوئے‘ بھاگتے ہوئے‘ گھر آئے‘ حضرت خدیجہؓ [1] بیوی سے یعنی ام المومنین حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ مجھے بہت جاڑا [2] لگ رہا ہے‘ میں کانپ رہا ہوں۔ مجھے کچھ لحاف اوڑھا دو‘ کمبل اوڑھا دو۔ تو اس

---

[1] حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا انتقال 10 نبوی کو ہوا (حوالہ: پرویزؒ: معراجِ انسانیت‘ ادارہ طلوعِ اسلام‘ کراچی‘ 1949‘ ص۔247۔)

[2] سردی۔

دہشت میں جو آپ ﷺ وہ کمبل یا لحاف اوڑھ کے لیٹے' اس پہ خدا نے دیکھا تو پھر وہاں سے یہ کہا کہ یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ (73:1) اولحاف اوڑھنے والے! اگلی سورۃ مدثر آئے گی۔ ان دونوں (مزمل۔ مدثر) کے معنی یہی لیے جاتے ہیں۔

عزیزانِ من! مدثر پہ تو میں بعد میں آونگا' یہ اگلی سورۃ ہے' یہ مزمل تو ہمارے سامنے ہے۔ چار لفظوں میں اگلی بات بھی میں بتادوں تا کہ یہ پوری کہانی ظاہر ہو جائے۔ حضور ﷺ نے اپنی بیوی حضرت ام المومنینؓ سے یہ کہا اور انہوں نے تسلی دی کہ آپ کیوں ڈر رہے ہیں' آپ تو بڑے نیک انسان ہیں' غریبوں کی ہمدردی کرتے ہیں' سچ بولتے ہیں' اللہ تعالیٰ آپ کو ایسی حالت میں نہیں چھوڑے گا جیسے آپ کہہ رہے ہیں۔ پتہ تو نہیں ہے کہ یہ کیا ہے جو آپ کے ساتھ ہوا ہے۔ نہ آپ کو پتہ ہے' نہ ان کو پتہ ہے۔ معلوم ہی نہیں کہ ہوا کیا ہے۔ حضرت خدیجہؓ کا ایک چچازاد بھائی تھا۔ یہ عیسائی عالم تھا' ورقہ بن نوفل نام تھا۔ یہ بوڑھا آدمی تھا۔ آپؓ کہنے لگیں کہ چلو اس کے پاس چلتے ہیں' اس سے پوچھتے ہیں۔ اسے ذہن میں رکھیے کہ نبوتِ محمدی کے متعلق عیسائی راہب کے پاس جا رہے ہیں۔ بیوی' ہانپتے کانپتے' حضور ﷺ کو معاذ اللہ' معاذ اللہ' میں ہر بار معاذ اللہ کہے جاؤنگا' آپ ﷺ کو وہاں لے گئی۔ وہ جنہوں نے یہ افسانے بنا دیئے مقامِ نبوت کو جانتے ہی نہیں تھے۔ وہ راہب بات سن کر کہتا ہے کہ افوہ! یہ جو آپ کے پاس آیا ہے' یہ تو وہی ناموس [1] تھا' جو موسیٰؑ کے پاس آیا تھا' جو عیسیٰؑ کے پاس آیا تھا' خدیجہ مبارک ہو' انہیں تو نبوت ملنے والی ہے۔ یہ کچھ وہ راہب بتا رہا ہے۔ تو جب اسے یہ یقین ہو گیا کہ یہ نبی ہیں' یہ وہی جبریل آیا ہے تو اس عیسائی راہب کو بیعت کرنے کے لیے سب سے پہلے ہاتھ بڑھانا چاہیے تھا! وہ راہب آخر تک مسلمان نہیں ہوا۔ عزیزانِ من! آگے' زبان زیب نہیں دیتی جو میں کہوں کہ اس میں سازش ہے۔ دیکھیے! یہ مبارک باد دے رہے ہیں اور جنہیں یہ نبوت مل رہی ہے جن کے پاس جبرائیل آ رہا ہے' انہیں اُس راہب کے کہنے پر کچھ ہو رہا ہے کہ ہاں کچھ ایسی ہی بات نظر آتی ہے' اب بیوی بھی راہب کے کہنے پہ مان رہی ہے' اور اُس عیسائی راہب کے پاس چلے آ رہے ہیں۔ کیا بتایا جائے! یہ ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' ہے یعنی امام بخاریؒ [2] کی یہ کتاب' صحاح ستہ تو چھ کتابیں ہیں' ان میں سرِ فہرست ہے۔ یہ بخاری کی پہلی حدیث ہے اور اتنی تفصیل سے لکھی ہوئی ہے کہ اس پر دو تین صفحے بھرے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں وحی کی ابتداء اس طرح سے ہوئی۔ یہ مزمل اور مدثر کی تفسیر آ گئی: او کملی والے! او لحاف اوڑھنے والے! اور یہ دونوں تفسیریں ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ قرآن سمجھنا ہو تو احادیث کی رو سے سمجھیے۔ عزیزانِ من! غور کرنے پر یہ معلوم ہو جائے گا کہ نبی اکرم جس عالمگیر

---

[1] حضرت جبرئیل کا لقب۔

[2] امام محمد اسماعیل بخاری بخاریؒ (260یا256۔194ھ) وطن بخارا' آپ نے کل چھ لاکھ احادیث جمع کیں۔ ان میں سے مکررات حذف کرنے کے بعد 2762 اپنے مجموعے میں درج کیں۔

دعوت کو لے کر آئے تھے‘اس میں ایک انقلاب تھا اور اس انقلاب کے لیے پہلی چیز ایک جماعت کی تشکیل تھی‘ رفقاء کی تشکیل تھی۔سیدھی سی بات ہے کہ یہ اتنا عظیم القدر پروگرام تھا‘ اس میں قیامت خیز انقلابی تبدیلیاں تھیں جو اس سے رونما ہونی تھیں۔پہلی چیز یہ تھی۔یہ ٹھیک ہے کہ یہ جنہیں ہم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں وہ ایمان لائے تھے‘ حضورﷺ کے ساتھ تھے۔ظاہر ہے کہ اس قسم کا جو پروگرام سامنے تھا اس کے لیے جماعت سازی میں بھی ایک اور قسم کی ترتیب چاہیے تھی اور ایک آہنگ (Harmony) چاہیے تھا‘ ایک کمانڈ (Command) چاہیے تھی۔اس نکتہ نگاہ سے بھی ہمارے ہاں بعض احباب نے نبی اکرمﷺ بحیثیت کمانڈر ان چیف تحقیق کی ہے۔عسکریت تو میرا موضوع نہیں لیکن انہوں نے جو ایک ایک جنگ میں تحقیق کی ہے تو جو بتایا گیا ہے اس میں بدرجہ اتم آپﷺ کی کمانڈ کی صلاحیتوں کے بارے میں کہا گیا ہے۔ میں نے بھی اس موضوع پر بہت لکھا ہے کہ میدانِ جنگ کے اندر نبی اکرمﷺ بے نظیر کمانڈنٹ نظر آتے ہیں لیکن عزیزانِ من! اس مرحلے سے پہلے بہرحال ایک مرحلہ جماعت سازی کا تھا کہ کس کے ساتھ کس کو کھڑا کرنا تھا۔

مزمل کا قرآنی اور لغوی مفہوم

اب سنیے کہ یہ مزمل کیا ہوتی تھی۔عربوں کے ہاں قافلے چلتے تھے‘اونٹوں کے اوپر سواری ہوتی تھی‘ اونٹ کا ایک کجاوہ ہوتا ہے‘ کجاوے میں دائیں بائیں دو سواریاں بیٹھتی ہیں۔اب یہ جو میرِ کارواں ہوتا تھا اسے بہت سی باتوں کا خیال رکھنا ہوتا تھا۔وہاں ماہر موجود تھے۔ان میں سے بعض ایسے تھے جو بڑے ہی Expert (ماہر) تھے‘ان کی بڑی شہرت تھی۔کیا بات تھی اس میں!! کہ ہر اونٹ پر دو سواریاں اس قسم کی بٹھائی جائیں کہ ان میں پہلی چیز تو یہ ہو کہ وہ ہم وزن ہوں‘ ان کا وزن توازن میں رہے اور اس کجاوے کا توازن برقرار رہے۔ٹھیک بات ہے۔اس کے برعکس اگر ایک طرف ایک بڑا سا پہلوان بٹھا دیں اور دوسری طرف ایک منحنی سا کوئی کم وزن بٹھا دیں تو آپ سوچیے کہ اس اونٹ کا کیا حشر ہوگا‘ ان سواریوں کی کیا کیفیت ہوگی۔یہ چل ہی نہیں سکیں گے۔پہلی چیز تو یہ ہوتی تھی۔لیکن یہ تو تھی Physical‘ طبعی چیز۔آخری چیز یہ ہے کہ یہ مہینوں کا سفر ہوتا تھا‘ یہ دو ہی ایک اونٹ پہ بیٹھے ہوئے ہوتے تھے‘ انہوں نے آپس میں باتیں کرنا ہوتی تھیں۔تو دوسری چیز وہ میر کارواں یہ دیکھتا تھا کہ ان دو سواریوں کے باہمی وزن کے علاوہ ان کے مزاج اور ذوق میں بھی کامل ہم آہنگی ہونی چاہیے۔لہٰذا اس سوچ کے تحت اس طرح کے دو رفقاء کا انتخاب کرنا کہ جن میں اس طرح کی کامل ہم آہنگی ہو‘اس میر کارواں کا اہم کام تھا۔اس لحاظ سے وہ جو دو آپس میں ایک ہی کجاوے میں بیٹھے ہوتے تھے‘ یہ عرب ان کو ایک دوسرے کا ’’زمیل‘‘ کہتے تھے اور یہ جو اس طرح سے سواریوں کو تیاریاں کر کے بٹھاتا تھا اسے مزمل کہتے تھے۔پتہ نہیں ان مفسرین کو کیا ہو گیا!! آج بھی‘ اس کے یہی معنی ہیں۔

عزیزانِ من! مجھ پہ خدا نہ کرے کوئی وحی تو نازل نہیں ہوتی۔ میں نے اپنے لغت [1] میں جو کچھ لکھا ہے اس کے ایک ایک معنی کے لیے انہی کی لغاتوں کے حوالے دیئے ہیں۔ وہ آج بھی ان رفیقوں کو ''زمیل'' کہتے ہیں۔ اس قسم کے رفیق جو کامل ہم آہنگ ہوں' ایک دوسرے کیساتھ یک رنگ ہوں۔ انہیں وہ آج بھی زمیل کہتے ہیں۔ اس قسم کے کارواں کی تیاریاں کرنے والے کو جس میں ان صلاحیتوں کے انتخاب کی بڑی شدت ہو' وہ آج بھی مزمل کہتے ہیں۔ تزمل اس عمل (Process) کا نام ہوتا ہے جس میں اس قسم کی جماعت تیار کرنے والے' اس قسم کے رفقاء تیار کرنے والے ہوں' جو ایک دوسرے سے کامل ہم آہنگ ہوں۔ پہلی چیز اس انقلاب آفرینی کی مہم کے لیے اس قسم کی جماعت تیار کرنی تھی اور اس کی ابتداء نبی اکرم ﷺ نے کی کہ کون کس کے ساتھ کھڑا ہوگا۔ عسکریت کے ماہر میرے جو بھائی یہاں میرے سامنے بھی بیٹھے ہیں' وہ اس کی اہمیت پہچانتے ہونگے کہ میدانِ جنگ کے اندر ایک دوسرے کیساتھ کھڑے ہونے والے کس قسم کے ہونے چاہئیں اور اس کے اندر کیا بات ہے۔ ایک کمانڈر کی یہ کتنی بڑی خوبی ہے کہ وہ اس قسم کے رفقاء تیار کرے۔ اس قسم کی جو جماعت تھی ان میں سے ہر فرد ایک دوسرے کا زمیل کہلاتا تھا۔ ایسا کرنا عملِ تزمیل کہلاتا تھا۔ اس عمل کرنے والے کو مزمل کہتے تھے۔ اس کی ابتداء اس قسم کی جماعت سازی سے ہوئی۔ اس کے لیے قرآن میں ہے کہ خدا نے حضور ﷺ کو' آپ ﷺ کی اس خصوصیت کی بناء پہ یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ (73:1) او جماعت تیار کرنے والے کہا!

کمر توڑ دینے والا پروگرام

عزیزانِ من! نظر آتا ہے کہ یہ پروگرام بڑا مشقت طلب تھا' بڑا ہمت طلب تھا' بڑا جرأت آزما تھا' حوصلہ شکن تھا' جسے کہتے ہیں کہ استخواں شکن' کمر شکن' کمر توڑ دینے والا پروگرام تھا۔ اس کے تین ہی آیتوں کے بعد آیا ہے کہ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلاً (73:5) وہ پروگرام تمہارے ذمہ لگایا جا رہا ہے جس سے تمہاری کمر ٹوٹ جائے گی۔ سورۃ الم نشرح میں آگے چل کر آئے گا کہ اَلَّذِیْ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ خدا نے آہستہ آہستہ تمہارے رفقاء کی ایک جماعت پیدا کر دی اور اس طرح تمہارا وہ بوجھ بھی ہلکا ہو گیا۔ عزیزانِ من! دیکھا کہ جب یہ کامیابیاں ہو گئی تھیں' فتح ہو گئی' معرکے سر ہو گئے' تو اس وقت کہا تھا کہ دیکھا خدا نے کس طرح اس بوجھ کو تمہارے اوپر سے اٹھا دیا جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی۔ یہ تھا پروگرام نبی اکرم ﷺ کے ساتھ۔ اتنا بڑا پروگرام' اس قدر تصادمات اور Confrontation (ٹکراؤ)! خود قریش ہی ''مان'' نہیں تھے اور اس پر مستزاد یہ کہ یہ عرب اور عجم کے خلاف اعلانِ جنگ تھا۔ اور مقابلے میں ان چار خس و خاشاک کی ایک جماعت جو کامل ہم آہنگی کے ساتھ اکٹھی ہوئی ہے۔ سوچیے تو اس سربراہ' اس کمانڈر ان چیف'

---

[1] اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے: پروفیسر ڈاکٹر منظور الحق: مطالب القرآن فی دروس الفرقان سورہ طٰہٰ' ادارہ طلوعِ اسلام رجسٹرڈ' لاہور' 2005ء' ص۔ 154-155' نیز فٹ نوٹ نمبر 2۔

اس انقلابی لیڈر کی اس کے اوپر کتنی بڑی ذمہ داری تھی‘ دن بھر اس پروگرام کی تکمیل کے لیے تگ وتاز میں گزرتا: اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلاً ❶ (73:7)۔

عزیزانِ من! اب تو سبح کے معنی ہمارے ہاں تسبیح ہو جاتی ہے۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ دن میں جو تمہیں اتنی تگ وتاز کرنا پڑتی ہے‘ بھاگ دوڑ کرنا پڑتی ہے‘ سرگردانی ہوتی ہے‘ وہ بہت زیادہ ہوتی ہے‘ راتوں کو کچھ سوبھی لیا کر۔ قرآن یہ کہہ رہا ہے۔ نظر آتا تھا کہ دن بھر اس پروگرام پہ سوچ بچار کی جاتی تھی‘ اس کو Execute (نافذ) کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا ہوگا۔ خدا خود یہ کچھ کہہ رہا ہے کہ اس عسکری مہم کی تیاریوں میں اس قدر مصروف! ہمیں معلوم ہے کہ دن بھر تجھے کس قدر مشقت طلب پروگرام ہوتا ہے‘ اُس سے انسان تھک کر چور ہو جاتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ تمہیں رات کو‘ دن بھر کی اس تمام کاروائی پہ غور کرنا ہوگا‘ اس پر Review (نظرثانی) کرنا ہوگا‘ کل آنے والے پروگرام کی تیاریاں کرنا ہونگی۔ دن بھر کی تگ وتاز کے بعد پھر اس کے لیے رات آتی تھی‘ راتوں کو یہ غور وخوض کرتے تھے۔ انہاک کی یہ کیفیت تھی اور واقعی جس کے سامنے اتنی بڑی ذمہ داری ہو اور اس کی جذب وکشش کی یہ کیفیت ہو‘ پھر وہ کھانا پینا سونا جاگنا جانتا ہی نہیں ہے لیکن یہ بھی بڑی ضروری چیز ہے اور یہ بھی واقعی ٹھیک بات ہے کہ کھانے پینے کی بھی ہوش نہیں رہتی۔

عزیزانِ من! اب یہاں ایک چھوٹی سی بات درمیان میں آ گئی۔ 1965ء کی انڈو پاک (Indo- Pak) کی جنگ کے اندر میں بھی قصور کے محاذ پر محاذ دیکھنے کے لیے گیا تھا۔ اس کا ذکر طلوع اسلام میں کیا گیا ہے۔ وہاں جو کھڑے تھے۔ وہ یہ تھے جنہوں نے تین دن اور تین راتیں اس محاذ کے اوپر کھڑے ہو کر جنگ لڑ کے فتح کیا تھا۔ تو میں ان سے کچھ باتیں کر رہا تھا۔ وہاں ہمارے ہاں کے ضلع میانوالی وغیرہ کے وہ جمعدار یا صوبیدار تھے۔ میں نے اس سے پوچھا: تین دن اور تین راتیں تم لوگ میدانِ جنگ میں کھڑے رہے ہو تو کچھ کھانے پینے میں بھی لیا؟ میں پنجابی میں بتاتا ہوں: کچھ کھان پین واسطے وی لیا۔ اوکین لگا کہ میاں صاحب! کھانا پینا تے کم ویلیاں دا ہوندا اے۔‘‘ ❷ یہ پوٹلیاں ہمارے پاس تھیں‘ پانی کی وہ کپیاں بھی ہمارے پاس تھیں‘ تین دن تین راتیں کس کو خیال آتا تھا کھانے اور پینے کا؟ ’’اوہدے لفظ ساری عمر مینوں یاد رہن گے کہ کھانا پینا تے کم ویلیاں دا ہوندا اے۔‘‘ ❸

---

❶ پھر یہ بھی ہے کہ دن میں تجھے مخالفتوں کے ہجوم کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلہ میں تیرے سامنے اتنے کام ہوتے ہیں کہ تجھے سارا سارا دن سرگرداں رہنا پڑتا ہے (لہٰذا جن امور کے لیے قدرے سکون کی ضرورت ہو‘ ان کے لیے دن میں وقت ہی نہیں مل سکتا۔) (مفہوم القرآن۔ پرویز)

❷ کیا کچھ کھانے پینے کو بھی لیا؟ اس نے کہا کہ میاں صاحب! کھانا پینا تو ان کا کام ہے جو کام سے فارغ ہوتے ہیں۔

❸ اس کے وہ لفظ مجھے تاحیات یاد رہیں گے کہ ’’کھانا پینا تو فارغ لوگوں کا کام ہوتا ہے۔‘‘

خدا کو بھی یہ کہنا پڑا

عزیزانِ من! میں اب سمجھتا ہوں کہ یہ کیا کیفیت تھی کہ خدا کو یہ کہنا پڑا کہ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا (73:2) راتوں کو کچھ سو بھی لیا کر۔ یہ ہے مقامِ رسالت' عزیزانِ من! اور کیا یہ آپ کو معلوم ہے کہ پھر آپ کے ہاں اس آیت کی تفسیر کیا ہوئی: قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا (73:2) کہ جی: یہ نبی اکرم ﷺ رات بھر اتنے نفل پڑھا کرتے تھے کہ حضور ﷺ کے پاؤں سوج جایا کرتے تھے۔ نفل پڑھا کرتے تھے!! صبح کو جس نے جنگ لڑنی ہے' وہ ساری رات نفل پڑھتا رہے گا کہ پاؤں سوج جائیں؟ کس مقام پہ انہوں نے پہنچا دیا: یہ رسالت اور نبوت سمجھ ہی نہیں سکے۔ مذہب میں سمجھا ہی نہیں جا سکتا کہ دین کے تقاضے کیا ہوتے ہیں اور جو دین کا علمبردار ہے اسے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ وہ یہی سمجھ سکتا ہے کہ دن بھر میں جو کہا ہے کہ سبحاً طویلاً کہ تم نے لمبی لمبی تسبیحاں پڑھنی ہوتی ہیں۔ وہاں تسبیحاں آ گئیں۔ رات کو جو ساری رات آپ ﷺ کا جاگنا ہوتا تھا' وہاں آ گیا کہ آپ ساری رات نفل پڑھا کرتے تھے اور اس کے بعد پھر آپ دیکھ لیں گے' آپ کو اولیاء کرام کے تذکرے ملیں گے۔ یہ باتیں میں نے ''طلوعِ اسلام'' میں اور ''تصوف کی حقیقت'' میں شائع کی ہیں کہ فلاں صاحب جناب! رات بھر میں دو ہزار رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ میں نے یہ کہا ہے کہ ذرا حساب کر کے دیکھیے تو سہی کہ ایک رکعت میں کتنا وقت صرف ہوتا ہے تو پھر رات میں گنیے تو سہی کہ کیا ایسا ہوتا بھی ہے؟ وہ کہنے لگے: ''لو حساب کتاب۔ اے مقام اونئیں' جتھے حساب کتاب ہوندا ہیگا کہ نفل بغیر حساب کتاب او پڑھدے سن' تے دو ہزار کیویں گن لیا تسی فیر' لیکن او تھے تے عقل دی گل کرنا تے کفر ہوندا اے۔''[1] بہر حال اس آیت کا ترجمہ یہ ہو گیا کہ حضور ﷺ رات بھر نفل پڑھتے تھے' پاؤں سوج جایا کرتے تھے۔ لیکن

قرآن میں خدا کہتا ہے کہ اس انقلاب کے لیے افراد کی تعلیم و تربیت ضروری ہے۔ دن میں تجھے فرصت کم ہو گی اس لیے اس مقصد کے لیے رات کو بھی جاگنا ہو گا لیکن ساری رات نہیں نِصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِیۡلًا o اَوۡ زِدۡ عَلَیۡهِ (73:3-4) آدھی رات تک اور اگر کبھی دیکھو کہ کام زیادہ ہے' تو تھوڑا سا بڑھا لیا کرو' اگر کام تھوڑا سا کم ہے تو اور بھی کم کر لیا کرو۔ وہ کیوں؟ اس لیے کہ اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا (73:7) دن میں جو تمہیں پروگرام ہے' وہ بہت لمبا چوڑا ہے۔ اس کے لیے تجھے سارا سارا دن سرگرداں رہنا پڑتا ہے۔

عزیزانِ من! آپ دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح سے آیات کا ربط ملتا ہے۔ کیا پروگرام ہے جو دیا جا رہا ہے؟ یہ کہ یٰۤاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُ (73:1) اے رسول! فریضۂ رسالت کی عظیم ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کے بعد' تیرے لیے پہلا قدم یہ ہے کہ تو ایسے رفقائے سفر تیار کر جن میں کامل ہم آہنگی اور یک رنگی ہو۔ اب عظمت کھلی اس بات کی' عزیزانِ من! کہ یہ کیا کہا گیا تھا۔ اور آگے ہے کہ وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ

---

[1] لو! اِسے اس کا حساب دو۔ یہ وہ مقام نہیں ہے کہ جہاں حساب کتاب ہوتا ہے۔ اگر وہ بے حساب نفل پڑھتے تھے تو پھر آپ نے کیسے گن لیا کہ دو ہزار نفل پڑھتے تھے۔ لیکن وہاں تو عقل کی بات کرنا ہی کفر ہوتا ہے۔

تَرْتِیْلًا [1] (73:4)۔

وقت ہوگیا ہے اور یہ بات بھی ایسی ہے کہ تھوڑی سی فرصت چاہتی ہے' سکون واطمینان سے باتیں کریں گے۔ ہم تو باتیں ہی کریں گے' عزیزانِ من! نہ یہ پروگرام دیکھیے نہ ان کی سمجھ میں ہماری بات آئی' زور سارا یہی ہے کہ نماز پڑھ لیا کرو' رات بھر نفل پڑھا کرو' دن بھر تسبیح پھیرا کرو' سارا کچھ ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ یہی مقام نبوت تھا' یہی مقامِ رسالت تھا' یہ اصلیت کو کیا جانیں۔ ہم نے تو حقیقت کو افسانہ بنا دیا ہوا ہے۔ سورۃ المزمل کی پہلی دو تین آیتیں ہی سمجھ لیجیے کہ ہم نے لی ہیں' آئندہ درس میں باقی آگے لیں گے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ط

❀.....❀❀❀.....❀

---

[1] تو انہیں قرآن کو اس طرح سمجھا کہ اس کا حسنِ ترتیب اور نظم وربط' ابھر کر ان کے سامنے آجائے پھر اسی ترتیب اور نظم وضبط کے ساتھ اسے عمل میں لاتے چلے جاؤ۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

پاکستان میں

غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔رابطہ۔گل بہار صاحبہ	بروز جمعہ	10AM
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔رابطہ: شیخ صلاح الدین‘فون۔0992-334699‘موبائل0321-9813250	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
اسلام آباد	برمکان ڈاکٹر انعام الحق‘ مکان نمبر 302‘ سٹریٹ نمبر 57‘ سیکٹر F-11/4 رابطہ: ڈاکٹر انعام الحق‘ فون نمبر 051-2107321	بروز اتوار	11AM
اوکاڑہ	برمکان احمد علی‘ بیت الحمد‘ 180-AB-4‘ شادمان کالونی‘ ایم۔اے جناح روڈ‘ رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325‘ موبائل: 0321-7047325	بروز جمعہ	3PM
پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین۔رابطہ فون نمبر:	بروز جمعہ	3PM
جہلم	جنجوعہ ٹاؤن‘ پوسٹ آفس فوجی ملز‘ نزد بیکن ہاؤس سکول۔رابطہ فون نمبر:	ہر ماہ پہلی اور آخری اتوار	4PM
چوٹی زیریں	بردوکان لغاری برادرز‘ زرعی سروس‘ ڈیرہ غازی خان۔رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔فون نمبر: 064-2466181	ہر ماہ پہلا اتوار	12 بجے دن
چنیوٹ	11/9-W‘ گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: آفتاب عروج‘ فون: 047-6331440-6334433۔	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
حیدرآباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری‘ B-12‘ حیدرآباد ٹاؤن‘ فیز نمبر 2‘ قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر آخری بس سٹاپ۔رابطہ فون: 022-654906	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
راولپنڈی	فرسٹ فلور‘ کمرہ نمبر 114‘ فیضان پلازہ۔کمیٹی چوک۔ رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ‘ موبائل: 0332-5479377	بروز جمعہ بروز اتوار	4PM 4PM
راولپنڈی	برمکان امجد محمود‘ مکان نمبر 14/A‘ گلی نمبر 4‘ راہِ طلوع اسلام‘ جنجوعہ ٹاؤن‘ اڈیالہ روڈ‘ نزد جراہی سٹاپ‘ راولپنڈی۔رابطہ: رہائش: 051-5573299‘ موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10AM
خان پور	بمقام مکان حبیب الرحمان‘ محلہ نظام آباد‘ وارڈ نمبر 9 خان پور‘ ضلع رحیم یار خان رابطہ: نمائندہ حبیب الرحمٰن۔فون نمبر گھر: 068-5575696‘ دفتر: 068-5577839	بروز جمعہ	3PM

سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹرسٹی، سٹی ہاؤس، سٹی سٹریٹ، شہاب پورہ روڈ، رابطہ: محمد حنیف 03007158446۔ محمد طاہر بٹ 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار	5PM
سرگودھا	B-4، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد کی مسجد چاندنی چوک، رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-711233	بروز منگل	7PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر فرسٹ فلور، مین ڈگلس پورہ بازار، رابطہ: محمد عقیل حیدر، موبائل: 0313-7645065	بروز جمعہ	4PM
فتح پور، سوات	فتح پور، سوات، رابطہ: خورشید انور، فون: 840055	بروز اتوار	3PM
کراچی	105 سی بریز پلازہ، شاہراہ فیصل۔ رابطہ شفیق خالد، فون نمبر: 0300-2487545	بروز اتوار	10AM
کراچی	A-446 کوہِ نور سنٹر، عبداللہ ہارون روڈ، رابطہ محمد اقبال۔ فون: 021-5892083	بروز اتوار	10AM
کراچی	ڈبل اسٹوری نمبر 16، گلشن مارکیٹ، کورنگی نمبر 5۔ رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-5031379-5046409، موبائل: 0321-2272149	بروز اتوار	2PM
کراچی	نالج اینڈ وزڈم سنٹر، ڈی۔2، گراؤنڈ فلور، ڈیفنس ویو، نزد اقراء یونیورسٹی۔ رابطہ: آصف جلیل فون نمبر: 021-5801701، موبائل: 0333-2121992، محمود الحسن۔ فون: 021-5407331	بروز اتوار	11AM
کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ۔ رابطہ فون: 081-825736	بروز اتوار	4PM
گوجرانوالہ	شوکت نرسری، گل روڈ، سول لائنز۔ رابطہ: موبائل: 0345-6507011	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
لاہور	B-25، گلبرگ 2، (نزد مین مارکیٹ، مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-5714546	بروز اتوار	9:30AM
لاڑکانہ	برمکان اللہ بخش شیخ نزد قاسمیہ محلہ جاڑل شاہ، رابطہ فون: 074-42714	بروز جمعہ	بعد نماز مغرب
ملتان	شاہ سنز پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ، وہاڑی روڈ، (بس سٹینڈ چوک سے تقریباً اڑھائی کلومیٹر وہاڑی کی طرف) ملتان۔ رابطہ فون نمبر: 061-6538572، موبائل: 0300-7353221	بروز جمعہ	3:30PM
منڈی۔۔ بہاؤالدین	رابطہ: خان محمد، (وڈیو کیسٹ) برمکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1، محلہ صوفی پورہ۔ فون نمبر: 0456-502878	بروز جمعہ	10 AM
نواں کلی، صوابی	رابطہ بابو اسرار اللہ خان، معرفت ہومیو ڈاکٹر ایم۔ فاروق، محلہ خدر خیل۔ فون نمبر:	بروز اتوار	10 AM
صوابی	بمقام چار باغ، (حجرہ ریاض الامین صاحب)، (رابطہ: انچارج یوٹیلیٹی سٹورز، مردان روڈ، صوابی) فون نمبرز: (0938)310262, 250102, 250092	بروز اتوار	3 P.M

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی انہی جگہوں پر دستیاب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یکے از مطبوعات باغبان ایسوسی ایشن

باغبان ایسوسی ایشن کا ماٹو ''**قرآن فہمی اور باغبانی**'' ہے۔عصرِ حاضر میں مسلمانوں میں وحدت قیادت نہ ہونے کے سبب اغیار ہمیں جدا جدا کر کے مار رہے ہیں۔ باغبان ایسوسی ایشن نے فیصلہ کیا ہے کہ مسلمانوں میں وحدت اقتدار (خلافت) کے سلسلہ میں مقابلہ مضمون نویسی کا انعقاد کیا جائے۔اس سلسلے میں کچھ اشتہار پہلے بھی منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔مقابلہ مضمون نویسی کا عنوان:

﴿قیام خلافت کی راہ میں کون حائل ہے﴾

اس مقابلہ میں مضمون کا پہلا حصہ فکرِ اقبالؒ کی روشنی میں اور دوسرا حصہ حالات حاضرہ کی روشنی میں ہونا چاہئے جو کہ 5 صفحات سے کم نہ ہو۔مضمون کے لئے یہ شرط بھی ہوگی کہ وہ پہلے قومی پریس میں شائع ہو چکا ہو۔اس سے یہ فکری تحریک اور تیز ہوگی۔ پہلا انعام ایک ہزار روپے نقد اور دوسرا انعام 800 روپے ہوگا۔ایک عام 5 سطری تجویز جو جامع اور مؤثر ہو اس پر 500 روپے انعام دیا جائے گا۔شائع شدہ مضامین کی درجہ بندی کے لئے ججز پینل تشکیل دے دیا گیا ہے۔یہ تمام حضرات باغبان ایسوسی ایشن کے تاحیات ممبر ہیں۔

(1) ملک عبدالمسجود ایم۔اے۔بی۔ایڈ مری (2) ملک فضل عالم بی۔اے راولپنڈی

(3) راجہ محمد صغیر ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی قانونی مشیر مری (4) محمد اشفاق عباسی ایم۔فل مری۔

شائع شدہ مضامین وصول کرنے کی آخری تاریخ مع فوٹوسٹیٹ شناختی کارڈ 31 جولائی 2009ء مقرر ہے۔اگر کوئی معیاری مضمون شائع ہونے سے رہ جائے تو بھی غیر شائع شدہ صورت میں قبول کر لیا جائے گا۔

تقسیم انعامات 14 اگست 2009ء کو ہوگی۔

☆☆☆☆☆☆☆

پتہ رابطہ: (1) ملک حنیف وجدانی صدر باغبان ایسوسی ایشن سنبل سیداں نیو مری۔

(2) صبینہ یاسمین سینئر نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن ٹبی سیداں سوہاوہ جہلم۔

(3) تنویر صادق نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن مکان نمبر 6/18 گلی نمبر 1 میاں چنوں خانیوال۔